THE REFUTATION OF MIRZA-E-QADIANI.

اِنَّ لِیْ فِیْكَ ضَرْبَةً لَنْ تَسْبِقَنِیْ بِهَا مسیح کا آخری خطاب دجال سے،

تجھ کو میرے ہاتھ کی ایک مار کھانا ہے اور تو اُس سے بچ کے نہیں جاسکتا

ضربِ عیسوی

یعنی

ابطالِ مرزا

مصنّفہ

سلطان القلم مسٹر اکبر مسیح صاحب مرحوم مصنف

تاویل القرآن، فصاحت القرآن، منارۃ البیضا وغیرہ ذٰلک

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور

۱۹۲۶ء

بارِ دوم ۱۰۰۰ قیمت ۸ آنہ

P. R. B. S., LAHORE.

دیباچہ

زاں کہ از قرآں بسے گمراہ شدند　　زاں رسن قومے درون چہ شدند

رسالہ **ضربت عیسوی** اُن سلسلہ وار مضامین کا مجموعہ ہے جو مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ریویو کے جواب میں لاہور کے رسالہ **ترقی** ۱۹۰۳ء میں شائع ہوتے رہے۔ اُن میں جا بجا اضافہ بھی کیا گیا تاکہ مابعد کی نکتہ چینیوں کی رعایت ہو جائے۔

جن لوگوں کو ضرورتاً مرزا جی کی تصنیفات پڑھنے کا ناگوار اتفاق ہوا ہوگا وہ خوب جانتے ہیں کہ مناظرہ میں فحش بیانی سخت کلامی بدزبانی بلکہ گالی کوسنے کا مرزا جی[له] نے گویا سرکار سے ٹھیکہ لے لیا۔ آپ اس فن کے جگت استاد مانے جاتے ہیں۔ ہر مذہب کے بزرگوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے دست و زبان سے کسی مومن کو امان نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ ہی کی انشا پردازی کی بدولت گبر و مسلمان کا چلن بگڑا۔ اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو مرزا صاحب کی تحریرات کو ایک معنی میں لاجواب کر دیتی ہے اور میدان یقیناً آپ

له اس زبان درازی کی انتہا مشتے نمونہ از خروارے یہ ہے کہ مقدس پولوس کو شریر انسان رئیس المفترین لکھتا ہے۔ اور مریم صدیقہ کو پانی پی کر کوستا ہے "اس کا بیٹا اب ضرور مرے گا" (دیکھو اشتہار نوحی اللہ المتعال مورخہ ۴ جنوری ۱۸۹۶ء اور مکتوبات احمدیہ ص ۹۵) سخنانے برزبان خود آورد کہ بجز شیطان لعین ہیچکس بداں گونہ تکلم نکند۔ اسی شائستگی کی تعریف ہے (دیکھو مکتوب ص ۲۵۳) اوروں سے اگر کسی مذہبی پیشوا کی نسبت کوئی بے ادبی کا کلمہ نکلا ہوگا تو اپنی ذاتی ذمہ واری پر۔ مگر یہ فن آفرینی مرزا صاحب کے حامل وحی کا حصہ ہے اور یہ کلام آپ ہی پر نازل ہوا ہے ... محمد رحمت ہمارے لبوں پر جاری ہو رہی ہے۔" رسائل اربعہ ص ۵

ہی کے ہاتھ رہ جاتا اگر ایسے مبارز نہ اٹھ کھڑے ہوتے جیسے ضمیمہ شحنہ
جس نے قادیان کی ترکی تمام کر دی۔ یہی تو وجہ ہے کہ عیسائی آپ کی
بند کر کے گذر رہتے انہوں نے ہمیشہ آپ کا ادب کیا اور دبتے رہے
آتھم مرحوم کے جنگ مقدس کو ہم شمار نہ کریں تو عیسائیوں کے
نے بھی آپ سے ہم کلام ہونا عار سمجھا۔ اور طرح سے بھی عیسائیوں کا یہ شکوہ
نہ تھا۔ مرزا جی مہدی مسعود ہوں یا دجال مردود۔ آپ جو کچھ ہیں اسلام کے حق
میں ہیں گمراہ کیا آپ نے تو مسلمانوں کو راہ پر لگایا تو مسلمانوں کو۔ چودھویں صدی
کے سر پر آپ اسلام کو زندہ کرنے آئے اور مسلمانوں کے عظیم الشان امام بنے۔
مارا آپ نے تو مسلمانوں نے ستایا آپکو تو مسلمانوں نے۔ انہوں نے آپ کی و ابھی آؤ بھگت نہیں
کچھ اٹھا نہیں رکھا بس بقول شخصے

چو کار بے فضول من بر آید — مرا در وے سخن گفتن نشاید

عیسائیوں کو پرائے پھٹے میں پاؤں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں کسر صلیب
کا ڈھول آپ بجاتے رہتے مگر ان کو اس کی کیا پروا جب وہ آنکھوں سے دیکھتے
ہیں کہ ہندوستان کے اوپر صلیب کا جھنڈا برابر لہرا رہا ہے جس کے تلے وہ خود امن
سے رہتے ہیں اور آپ کو بھی بہ یک بینی و دو گوش سلامت رہنے دیتے ہیں۔ انکے
گرجوں کے مناروں پر صلیب بدستور بلند ہے اور ہر سال نئے صلیب نصب ہوتے رہتے
ہیں اور ہوتے رہینگے۔ اور گو مرزا جی ایک صدی کی چوتھائی کسر صلیب کی کوشش
میں برباد کر چکے مگر پھر بھی دم نزع آپ قائل ترین حسرت سے یہی روتے سنائی دیئے
یا رب ارنی کسر صلیبہم۔ اے میرے رب ان کے صلیب کا ٹوٹنا مجھکو دکھا۔
(نور الحق حصہ ۲ ص ۹) آخر انسان آرزو میں کب تک جی سکتا ہے اس سے تو اندھی آنکھ
غنیمت تھی جو صلیب نہیں دیکھتی۔ وائے ناکامی ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ج

اب آپ اس امید میں جیتے ہیں کہ میری طرح "میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے" اور پس مرگ میرے مزار پر دیا جلایا جاوے (ازالۃ الاوہام ص ۴۸۸)

مرزاجی کو سرسید مرحوم کی ہمیشہ شکایت رہی کہ انہوں نے آپ کو مجنون اور پاگل قرار دے کر کبھی منہ نہ لگایا (آئینۂ کمالات ص ۲۳۱)۔ مبادا عیسائیوں سے بھی مرزاجی کو یہ شکایت رہ جائے۔ اس لئے ہم آپ کے جواب میں یہ تھوڑا سا لکھتے ہیں جس کو بہت کام دینا ہے۔ اور اس طرح گویا آپ کے خیالات کو گمنامی کے کونوں سے باہر نکال کر عیسائیوں کو سنائے دیتے ہیں۔ مگر ہم کو تہذیب کا اور اپنے ناظرین کے سنجیدہ مذاق کا بہت خیال ہے۔ اس لئے جو کچھ سب و شتم انہوں نے ہمارے بزرگوں اور ہمارے مقدس دین کے حق میں روا رکھا اس کو ہم طاق نسیان پر رکھ کر اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ناظرین انصاف آئین کی خدمت میں گذارش ہے کہ اگر کہیں ہمارا قلم بہک جائے تو ہم کو معذور رکھیں۔ کیونکہ اگر کوئی بانس کا ایک سونٹا لے کر آئے اور یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کی ایک سنجیدہ مجلس کو للکار کر کہے کہ یہ وہی عصائے موسٰے ہے جو فرعون کے آگے اژدہا بن گیا تھا اور جس نے بحر قلزم کو دو حصہ کر دیا تھا۔ تو کہاں تک کوئی اپنی متانت کو نباہ سکے گا۔ سری نگر کی قبر کے متعلق جناب مرزاجی کے دعاوی اس سے بھی زیادہ ہنسانے والے ہیں اور ہم بھی خوب ہنسے۔

الف۔میم

عصیٰ آدمُ رَبّہٗ

بحث عصمت انبیا

عیسائیوں کا عقیدہ عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اِس بات کے قائل ہیں کہ بجز مسیح کلمتہ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی ۷ باب ۲۶) ہر انسان نبی ہو یا ولی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا اور ابو البشر آدمؑ کی طرح توبہ کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا اپنے خدا کے آگے گرا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اے ہمارے رب ہم نے بُرا کیا اپنی جان کا اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد (اعراف ع ۲) یہ ایک ایسا سیدھا اور سچا مسئلہ ہے کہ اہل کتاب کے صحف ربانی کی قرآن شریف نے جس کی تعریف مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ہے پوری تصدیق کر دی۔ پھر جب نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ انبیا بھی دیگر انسانوں کی طرح اپنے ذنب کا اقرار کر کے طلبگار مغفرت ہوئے اور آنحضرت کو بھی بار بار ایسا کرنے کی فہمائش و تاکید ہوئی تو چاہے کتنا ہی زبردست متکلم کیوں نہ ہو عصمت انبیا کی بحث میں عاجز رہیگا؛

اہل اسلام کا عقیدہ جس طرح اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیا سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گذر چکے اور اب بھی موجود ہیں جن کو بمتابعت قرآن و حدیث عصمت انبیا سے انکار کرنا پڑا۔ امام رازی آیہ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (بقرہ ع ۴) کی تفسیر میں اس مسئلہ میں مسلمانوں کے اختلافات بیان کر کے لکھتے ہیں کہ "خوارج میں سے فرقہ فضلیہ اس بات کا قائل ہوا ہے کہ انبیا سے گناہ صادر ہوئے

ہیں۔ اور ان کے نزدیک گناہ کفر یا شرک ہوتا ہے۔ پس لا محالہ وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ انبیا سے کفر صادر ہوا ہے اور فرقہ امامیہ اس بات کا قائل ہے کہ تقیہ کے طور پر انبیا سے کفر صادر ہو سکتا ہے۔" "انبیا کے اقوال اور سیرت کے متعلق"۔ "اس میں امت کے چار قول ہیں (علی خمسۃ اقوال پانچ قول ہیں) ایک فرقہ حشویہ کا قول وہ انبیا سے قصداً کبائر کے صادر ہونے کو تجویز کرتے ہیں دوسرا ان لوگوں کا قول ہے کہ کبائر کو تجویز نہیں کرتے اور صغائر کو قصداً تجویز کرتے ہیں . . . . تیسرا یہ کہ اُن سے قصداً کوئی گناہ نہیں صادر ہو سکتا صغیرہ اور نہ کبیرہ۔ البتہ تاویل کے طور پر ہو سکتا ہے جبائی کا قول یہی ہے۔ چوتھا یہ کہ اُن سے کوئی گناہ نہیں صادر ہوتا البتہ سہو یا خطا سے صادر ہو سکتا ہے مگر اس طور سے بھی اگر اُن سے گناہ ہو جاتا ہے تو اُن سے باز پرس ہوتی ہے اگرچہ امت کے لوگوں سے خطا اور نسیان معاف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیا کی معرفت بہت قوی ہوتی ہے اور اُن کے دلائل خدا کی شناخت کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور جس قدر وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں امت کے لوگ نہیں کر سکتے۔"

غرضکہ ہر مسلمان انبیاء سے صدور گناہ کا تو قائل ہے مگر کوئی بلا تاویل اور کوئی با تاویل کوئی گناہ میں کبیرہ و صغیرہ دونوں داخل کرتا ہے کوئی صرف صغیرہ۔ کوئی عمداً ارتکاب گناہ جائز رکھتا ہے کوئی محض سہواً اور کوئی تقیۃً۔ ہاں صرف ایک قول ہے "پانچواں۔ انبیاء سے کوئی گناہ نہیں ہوتا نہ کبیرہ اور نہ صغیرہ نہ قصداً اور نہ سہواً نہ بطور خطا کے نہ بطور تاویل کے رافضیوں کا مذہب یہی ہے۔ پھر اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیا کے معصوم ہونے کا زمانہ کونسا ہوتا ہے۔ اس میں بھی تین قول ہیں۔ رافضی کہتے ہیں کہ وقت پیدائش سے برابر انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ اکثر معتزلہ کا قول یہ ہے کہ وقت بلوغ سے وہ معصوم ہوتے ہیں اور قبل از نبوت اُن سے کفر یا گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اکثر علما اور ابو الہذیل اور ابو علی معتزلی کا قول یہ ہے کہ نبوت کے وقت یہ روا نہیں ہے

مگر قبل نبوت روا ہے"۔ (دیکھو سراج المنیر ترجمہ تفسیر کبیر پارہ اوّل صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۸)

ربط اقوال | ہم عیسائی مسلمانوں کے ساتھ دونوں قولوں میں متفق ہیں۔ اُن سے بھی جو انبیا سے صدور گناہ کے قائل ہوئے مگر اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے اور صدور گناہ کو بنص صریح ثابت سمجھتے ہیں اور انبیا کو عموماً افعال اور سیرت کے لحاظ سے گنہگار یا عاصی جانتے ہیں اور رافضیوں سے بھی۔ مگر اُن کے قول کو صرف حضرت مسیح کے حق میں ثابت سمجھتے ہیں اور یہی مانتے ہیں کہ نہ صرف وہ ہر ایک قسم کے گناہ سے محفوظ رہے بلکہ پیدائش ہی کے وقت سے ہر گناہ و خطا سے معصوم رہے اور وہ نبی اور رسول تھے۔ پس معلوم ہؤا کہ ہم بھی عصمت انبیاء کے قائل ہیں عموماً نہیں بلکہ خصوصاً۔

تعریف معصوم | اہل اسلام کے علماء نے نبی کے معصوم ہونے کی تعریف بھی کردی ہے۔ چنانچہ مُلا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں اختلف الناس فی کیفیت العصمۃ فقال بعضھم ھی محض فضل اللہ تعالیٰ بحیث لا اختیار للعبد فیہ۔ لوگوں نے عصمت کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ عصمت محض خدائے تعالیٰ کا ایک فضل ہے جس میں بندہ کو کوئی اختیار بھی نہیں۔ وقال بعضھم العصمۃ فضل من اللہ ولطفہ ولاکن علیٰ وجہ یبقی اختیارھم بعد العصمۃ فی الاقدام علی الطاعۃ و الامتناع عن المعصیۃ۔ اور بعض کا قول ہے کہ عصمت اللہ کا فضل اور لطف تو ضرور ہے مگر اس طور پر کہ انبیا کو باوجود عصمت کے اختیار باقی رہتا ہے کہ فرمانبرداری پر پیش قدمی کریں اور گناہ سے رُک جاویں۔

اس اخیر قول پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے اور عیسائی بھی اس قول سے متفق ہیں کہ حضرت مسیح اس معنے میں معصوم تھے بہر فاعل ذی اختیار کی طرح ارادہ اور اختیار رکھتے ہوئے آپ نے گناہ کو مطلق ترک کیا اور نیکی پر کامل عمل کیا۔

آزاد تحقیق | اب ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں عیسائیوں کی تحقیقات اپنی کتابوں کی نسبت

اور مسلمانوں کی قرآن کی نسبت بالکل ایک دوسرے سے آزاد ہے۔ عدم عصمت انبیا کے خیال میں نہ عیسائی مسلمانوں کے مقروض ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمان عیسائیوں کے۔ قرآن پڑھ کر مسلمانوں نے اور صحف سابقہ پڑھ کر عیسائیوں نے اپنے اپنے رنگ میں عصمت انبیا سے انکار کر کے قرآن یا کتب سابقہ سے استدلال کیا۔ اور جب کسی نبی کے حق میں عصمت کے قائل ہوئے تو ایک معقول تعریف بھی عصمت کی کر دی جس سے انسان فاعل ذی اختیار اور سزا و جزا کے قابل ٹھیرا ٭

مرزا کی تبدیلی رائے — مگر ہمارے مرزا کی منطق نگری نیاری ہے۔ نہ معلوم کیوں آپ کی عنایت انبیا کے اوپر اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ آپ سب کو باستثنائے مسیح کے معصوم مانتے ہیں۔ شاید اس طور پر آپ اپنی عصمت کو ثابت کرنا چاہتے ہوں۔ آپ منکرین عصمت انبیا کی نسبت جو دیندار کلمہ گو کھرے مسلمان گذرے فرماتے ہیں۔ "اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں اُن لوگوں کے ذریعہ سے آئے جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے" جلد ۲ صفحہ ۵۔ وہ خیالات موجود ہیں اور انکی تاریخ موجود ہے اور قرآن و حدیث بھی موجود ہیں جن سے ہم اُن کو مطابق کر کے دکھلا سکتے ہیں کہ وہ ٹھیٹھ اسلام کے پیچ میں کسی سے قرض نہیں لئے گئے۔ بلکہ ہم تو یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ہم نے یہ خیالات انہیں سے حاصل کئے اور انکو قبول کر لیا کیونکہ وہ ہمارے خیالات کے مؤید اور گہری تحقیقات پر مبنی ہیں۔ ہاں اگر ضرورت ہوتی تو ہم یہ بڑے زور سے ثابت کر دیتے کہ تمہارے بہت سے خیالات اسلام سے دُور اور بُرے اہل کتاب سے مسروقہ ہیں ٭

مرزا لکیر کے فقیر — عصمت انبیا پر جو کچھ تم نے لکھا اس میں تم نرے لکیر کے فقیر ہو تحقیق کی جس میں بُو تک نہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ امام رازی وغیرہ علماء نے اُس خیال کو جو فی نفسہٖ کمزور تھا ایک معقولیت کے پیرائے میں پیش کیا جس کو تم نہ نباہ سکے۔ تم نے اسکو ایسی بھونڈی طرح بیان کیا کہ اُس کی کمزوری بالبداہت عیاں ہو گئی۔ اور تم اس خیال کے بڑے نادان

نابالغ بچے اور پیدائشی مجنون بھی معصوم ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں" جلد اوّل صفحہ ۱۸۰۔ گو یہ مضمون خبطیہ ربط ہے مگر جب گناہ کی تعریف میں عمد اور ارادہ لازم ہے تو معصوم حقیقی صرف وہ ہے جو ایسے گناہ سے محفوظ ہو۔ پس گویا مرزا جی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی عصمت پیدائشی مجنون کی عصمت سے بھی گئی گذری کیونکہ پیدائشی مجنونوں میں فہم تو نہیں مگر ارادہ اور اختیار ضرور ہے :۔

مرزا جی نے جو تعریف عصمت انبیاء کی دی وہ نہ صرف عقل سے بالکل بعید بلکہ نقل کے سراسر مخالف ہے۔ اور ہم نے آج تک مسلمانوں میں کسی فہمیدہ شخص کو یہ کہتے نہیں سنا کہ انبیاء ایک مُردہ کل ہیں جو بُرے بھلے کے چرخے کی طرح چلے جاتے ہیں :۔

ہم کو ان خیالات کی لغویت پر تو تعجب نہیں مگر تعجب ہے اس بات پر کہ وہ دعوے کرتے ہیں کہ "قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کا یہ معنی راستہ سے کم وکاست ہے :۔

ہماری تحدی | اب ہم بڑے دعوے کے ساتھ مرزا جی کو تحدی کرتے ہیں کہ "قرآن شریف میں جو بکثرت ایسی آیات موجود ہیں" ان میں سے تم کوئی ایک آیت جس کو اپنی دانست میں سب سے بڑی نص عصمت انبیاء پر سمجھتے ہو جس سے تمہارے معنی عصمت ثابت ہوں ہمارے لئے پیش کرو اور ہم تمہاری تردید اُسی اصول تفسیر قرآن سے کریں گے جو تم نے اپنے مُنہ سے بیان کردیا ہے :۔

مرزا جی کو تو سب ہی انبیاء کی عصمت کا دعوے ہے اور اسی معنی میں جو اوپر بیان ہوئے مگر ہم کو صرف حضرت مسیح کی عصمت کا دعوے ہے اس معنی میں کہ اختیار اور ارادہ اور امکانِ گناہ رکھتے ہوئے اُنہوں نے عمداً و ارادۃً اپنے تئیں گناہ اور خطا سے محفوظ رکھا اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قدم مارا اور سرمو انحراف نہ کیا :۔

کو اُس وقت کہا جائیگا[1] جبکہ ایک انسان اس فعل کے ذریعے سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا[2] کے لائق ٹھیرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہنچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے ترک کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ حقیقت میں سزا کے لائق ٹھیریگا اور آخر میں لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھیرایا ہے" صفحہ ۲۵۵

گناہ حضرت آدم

حضرت آدم علیہ السلام کی ذات پر اس تعریف کو وارد کیجئے اور دیکھئے قطعی ہے حرف حرف صادق آتا ہے۔

دیکھو خدا کا حکم آدم کو لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ (اعراف ع ۲ و بقرہ ع ۴) اس کے پاس نہ جانا اس درخت کے ورنہ تم ہو جاؤ گے ظالموں میں۔ اس میں نہ صرف حکم ہے بلکہ حکم عدولی کا نتیجہ بھی صاف و صریح الفاظ میں بتلا دیا یعنی جرم کی تعریف اور اس کی سزا بھی مقرر کر دی۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بڑی تاکید کے ساتھ انکو خوب سمجھا بھی دیا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور اس فکر میں لگا ہوا ہے کہ تم کو خدا سے برگشتہ کر کے اس جائے آرام سے نکلوا دے۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ ہم نے کہا اے آدم یہ شیطان تیرا اور تیری جورو کا صریح دشمن ہے خبردار کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے۔ اب نہ تو کوئی حکم اس سے زیادہ صاف ہو سکتا تھا نہ کوئی تاکید و تنبیہ اس سے زیادہ موثر ممکن تھی یعنی خدا کا حکم بھی موجود تھا صاف بتلا دیا اور یہ بھی کہ وہ حکم آدم کو اچھی طرح پہنچ بھی گیا۔ تو یہ تمہاری تیسری و چوتھی شرط پوری ہو چکی۔

اب یہ بات تو تم خود مان چکے ہو کہ اس میں شک نہیں کہ آدم حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا" صفحہ ۲۵۶ و ۲۵۷ کیونکہ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے

کہ آدم نہ صرف اُس درخت کے پاس گئے بلکہ اُس کا پھل بھی کھا لیا اور خدا کا حکم توڑا اور
اللہ نے آپ فرما دیا وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی
پس گمراہ ہوا (طٰہٰ ع) تو آدم نے تمہارے گناہ کی پہلی شرط کو بھی بلا عذر پورا کر دیا۔
پھر حضرت آدم اُس گناہ کی وجہ سے سزا کے لائق ٹھیرے اور وہ سزا کیا تھی
یہی کہ اُسی جنت سے جس میں ان کو حق الخلود نہیں ہو سکنے کی آرزو تھی بصد ہوان
نکال دیئے گئے۔ قال اھبطا منھا کہا تم نکل جاؤ اس جنت سے (طٰہٰ ع) اور
جنت شداد کو چھوڑ کر سب سے بڑی سزا یہی ہو سکتی تھی کہ وہ جنت سے جلا وطن
کئے جائیں۔ چنانچہ شیطان کو اُس کی شیطنت کی سزا بھی خدا نے یہی دی۔ قال
فاھبط منھا کہا اے شیطان تو جنت سے نکل جا (اعراف ع)
پس آدم نہ صرف سزا کے لائق ٹھیرے بلکہ ان پر سزا کا نفاذ بھی ہو گیا۔ میعاد اپیل
بھی گذر گئی اور حکم بحال رہا جس پر آپ کی دوسری شرط بھی مبالغہ کے ساتھ
پوری ہو گئی ؛؛
اب رہی پانچویں شرط کہ عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ
درحقیقت سزا کے لائق ٹھیرے گا۔ اس کا تصفیہ ذرا مشکل ہے خدا کی عقل نے تو اسکو
تجویز کیا مگر الٰہی فیصلہ مرزا جی پر کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ حضرت آدم کی عقل نے بھی
اسکو تسلیم کر لیا اپنے ظلم کے وہ قائل ہو گئے۔ مگر ایسے دیرینہ سال بڈھے کے فعل کو
قادیان میں کون باور کرتا ہے ؟ ہم کو بھی ضد ہے۔ ہم یہی کہینگے کہ اگر اہل قادیان کی
عقل اس کو تجویز نہیں کرتی تو یہ اُس کی خطا ہے نہ کہ آدم کی یا خدا کی۔ اور ہم کو
خدا اور آدم کے ساتھ غلطی کرنے سے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ پس نہایت صفائی سے ثابت
ہو گیا کہ حضرت آدم نے مرزا جی کی پانچوں شرطیں پوری کر دیں اور گنہگار ہو گئے
ایسے کہ آپ کو معصوم کہنے کی جرأت اب مرزا جی کو بھی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ گناہ کی

تعریف اور طرح بدل کر اپنے سخن کو باطل ٹھیرائیں۔ اس تقریر سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ آدم مرزاجی کی تعریف گناہ کے موافق گنہگار ٹھیرے بلکہ یہ بھی کہ خدا نے انکو ظالم اور غاوی کہا جن الفاظ سے گنہگار انسان قرآن شریف میں یاد کئے گئے ہیں ؎

قرآن شریف کی شہادت سے حضرت آدم نبی ضرور ہیں مگر غیر معصوم نبی جیسا ابھی ثابت ہوا۔ بلکہ یہ بھی قرآن شریف کی نص سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اولوالعزم نبی نہیں تھے

حضرت آدم اولوالعزم نبی نہ تھے

چنانچہ فرماتا ہے ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما (طٰہٰ) شاہ عبدالقادر صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اور ہم نے تاکید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت" بہرحال اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے عہد لیا تھا آدم سے پہلے ہی مگر وہ اس کو بھول گیا اور ہم نے نہ پایا اس میں عزم۔ آدم میں خدا نے عزم کی نفی کی اور یہی ایک صفت ہے جو بعض انبیا کو اولوالعزم بناتی ہے۔ پس عزم کے عدم کی وجہ سے آدم نبی اولوالعزم نہ تھے صاحب قاموس لفظ عزم کے معنی میں لکھتے ہیں واولوالعزم من الرسل الذین عزموا علی امر اللہ تعالیٰ فیما عہد الیہم۔ رسولوں میں اولوالعزم وہ لوگ ہیں جو عزم رکھتے ہیں اور بجا آوری حکم خدا تعالیٰ کے جن باتوں میں خدا نے ان سے عہد کیا ہے۔ اس نص قرآن میں کھلے الفاظ میں آدم کی شکایت ہے کہ اس سے خدا نے عہد کیا تھا۔ اس نے عہد کو توڑا اور اس کی بجا آوری میں کوئی عزم نہ دکھلایا اور خدا نے اس میں عزم نہ پایا پس آدم نبی اولوالعزم نہ رہے ؎

مرزا کی تحریف

ہم کو افسوس آتا ہے کہ آیت شریف کے معنی مرزاجی نے کیسے بگاڑے ہیں اور اس میں تحریف معنوی کرنا چاہی۔ وہ اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں "اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا" اور کہتے ہیں کہ "اس سے حضرت آدم کی صاف بریت ہوتی ہے کہ انہوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا"

بھول جانیکا عذر۔ اسی طرح مرزا جی کا دوسرا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے عہد کو بھول جاتے ہیں اسی طرح آدم بھی بھول گیا۔ اور اس قول میں مرزا صاحب پھر اپنا اصول تفسیر بھول گئے۔ اگر کوئی لڑکا مکتب میں اپنا سبق اس طرح بار بار بھول جاتا تو مُنہ لال کر دیا جاتا۔ لو ہم قرآن سے دکھلائے دیتے ہیں کہ آدم عہد کو مرزا جی کے معنوں میں نہیں بھولے تھے۔ اُن کو خوب یاد تھا کہ خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر شجرہ ممنوعہ کے پاس جاؤ گے تو ظالم ہو جاؤ گے۔ بلکہ اس امر پر تو انہوں نے شیطان سے بحث بھی کی تھی جیسا کہ شیطان کے جواب سے روشن ہوتا ہے۔ قال ما نھکما عن ھذہ الشجرۃ الاان تکونا ملکین (اعراف ع۲) کہا تم کو خدا نے اس لئے نہیں منع کیا بلکہ اس لئے کہ مبادا تم فرشتے ہو جاؤ۔ شیطان نے یہ کہہ کر خدا کے قول کی تکذیب کی اور آدم نے اسکی بات مان لی۔ خدا کے سخن کو لغو قرار دیا اور شیطان کی بات سچی مانی۔ پھر آخر کو جب خدا نے بھی آدم سے پوچھا الم انھکما عن تلکما الشجرۃ ..... کیا تم کو میں نے اس درخت سے منع نہیں کیا تو آدم لاجواب رہ گیا۔ اُسنے نہیں کہا کہ خداوندا میں بھول گیا۔ بلکہ اقرار کر لیا ربنا ظلمنا انفسنا۔ اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ تیرا فرمانا حق ہُوا ہم ظالمین میں ہو گئے۔ پس مرزا جی تم کس مُنہ سے حضرت آدم کیلئے ایک جھوٹا حیلہ تراشتے ہو کیا یہ ع: اگر پدر نتواند پسر تمام کند کی نظیر ہے؟

بھول جانے کے معنی پس یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضرت آدم مرزا جی کے معنوں میں عہد کو نہیں بھولے تھے۔ پھر بھول گیا کے معنی اس جگہ کیا ہیں؟ اب پھر ہم اُسی اصول تفسیر پر کاربند ہوتے ہیں۔ "قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اُس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں"۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر نسیٔ بھول گیا کی مراد ایسی غفلت اور بے پروائی ہوتی ہے جسکے واسطے کسی عذر اور حیلے کی گنجائش نہیں رہتی اسی سورہ اور اسی رکوع میں یہی محاورہ استعمال ہُوا۔ "جس نے مُنہ پھیرا میری یاد سے

تو اُس کو ملتی ہے گذران تنگی کی اور لا دینگے ہم اُس کو دن قیامت کے اندھا۔ وہ کہیگا
کہ اے رب کیوں اُٹھالایا تو مجھکو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا۔ قال کذلک اتتک
آیاتنا فنسیتھا فرمایا یوں ہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے اُن کو بُھلا دیا۔
دیکھو خدا فرماتا ہے کہ تو نے ہماری آیتیں بھلا دیں اور اُس بھلا دینے کی یاداش میں
جہنم کا عذاب دیتا ہے اس کو عذر نہیں قبول کر سکتا۔ ایسے ہی سورہ ص ع ۲ میں ہے
لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب ان لوگوں کے واسطے سخت عذاب ہے
اس وجہ سے کہ انہوں نے بھلا دیا حساب کا دن۔ یہ اصول خود مرزا جی کا بیان کیا ہوا
ہے کہ "اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے فیصلہ اس طرح
ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم
پر غور کیا جاوے" ریویو جلد ۲ ص ۵۶ ۳ پس اس معنی میں اس طرح بھول جانا کوئی عذر
و حیلہ نہیں ہے۔ جو شے بھلا دینے کی نہ تھی اُسی کو آدم نے بھلا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا
نافرمانی ہو سکتی ہے۔ یا اللہ کی تاکید اکید اور ایک ہی حکم اور ہر پہلو سے سمجھا دینا اور پھر
بھی بھول جانا۔ پس اب ہم بلا خوف تردید آیت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں۔

آیت کے صحیح معنی ہم نے عہد لے لیا تھا آدم سے پہلے ہی مگر اُس نے غفلت و بے پروائی
سے اُسے ایسا بھلا دیا گویا کبھی عہد ہی نہیں کیا تھا اور اُس میں ہم کو کچھ بھی ہمت اور
ارزو الفائے عہد کے لئے نہ ملی۔ آپ کا یہ کہنا کہ آدم اس میں بے قصور تھا ایک لغو
سخن ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم بے قصور تھا بلکہ قصور اللہ نے کیا جو بے قصور
کو سزا دی جنت سے مار نکالا اور پھر گھسنے نہ دیا۔ قرآن نے آدم کو ظالم اور قصوروار کہا
تھا اس کے بدلے آپ نے خدا کو ظالم اور قصوروار ٹھیرا دیا۔ آپ آدم کے بڑے
سپوت نکلے ؛

دوسری آیت قرآن کی جو دوسری آیت ہے وعصٰے آدم ربہ فغوٰے

جس میں حضرت آدم کے عصیان یعنی نافرمانی کا صریح مذکور ہوا ہے مرزائی جی عصیان کی تاویل میں تو دم نہیں مارتے مگر غوٰے کی تاویل پر اصرار کرتے ہیں۔

تاویل لفظ غوٰے غوٰے کے معنی لسان العرب میں صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ فسد علیہ عیشہٗ یعنی اُس کے آرام میں خلل آگیا۔ حضرت[1] آدم قائم رہ سکے اپنے عہد پر قرآن شریف کے الفاظ بھی پس پشت پھینک دیئے اور احادیث کو بھی بھول گئے اور لسان العرب کی سند پکڑلی۔ ہم کو اس شخص کی سمجھ پر ترس آتا ہے کیونکہ اگر کوئی نگاہ عبرت سے دیکھے تو گناہ کی یہ بھی ایک تکلیف ہے۔ دوزخ میں پڑنا اور خدا سے دور ہونا انجام کا اپنا ہی بُرا کرنا ہے۔ بلکہ قرآن نے تو اُس کو بہت صفائی سے ظاہر کیا۔ گناہگاروں کو ظالمی انفسہم اپنی جان پر ظلم کرنے والا کہا (نساء ع ۱۴) مَن یعمل سوءً او یظلم نفسہٗ جو کوئی کرے بدی یا ظلم کرے اپنی جان پر (نساء ع ۱۶) حتی کہ صریحاً دوسرے پر ظلم کرنا بھی اپنی جان پر ظلم کرنا شمار ہوتا ہے۔ جوروؤں کے ستانے کو اور ان پر زیادتی اور ظلم کرنے کی بابت لکھا و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسہٗ جس نے یہ کیا اُس نے ظلم کیا اپنی جان پر (بقرہ ع ۲۹) اور اسی معنی میں کفر کو ظلم کہا اور دنیا کے کافروں کو ظالم۔ والکافرون ھم الظالمون کافر جو ہیں سو ظالم ہیں اور یہی بات تھی جس کو حضرت آدم نے تسلیم کیا تھا۔ ربنا ظلمنا انفسنا اے ہمارے رب ہم نے تیری حکم عدولی کی۔ ہم نے تیرا کچھ نہیں بگاڑا گناہ کر کے اپنی جان کا بُرا کیا۔ پس اگر غوٰے کے معنی صرف فسد علیہ عیشہٗ بھی ہوتے تو بھی آپ کی گلو خلاصی نہ ہو سکتی اور اگر یہ حق ہے کہ "قرآن شریف اپنی تفسیر آپ کرتا ہے" تو غوٰے کے معنی دریافت کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ یہ نتیجہ عصیان کا کہا گیا یعنی شجرہ ممنوعہ کو کھانے کا اور سوائے گناہ کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اگر تم اس درخت کے پاس گئے

---

[1] اس معنی کی تشریح ہم آگے چل کر حضرت یونس کے بیان میں کریں گے۔

تو ظالمین میں ہو جاؤ گے۔ پس اگر خدا نے سچ کہا تھا اور اس میں کوئی شائبہ جھوٹ کا نہیں تھا تو آدم ظالم تو اسی وقت ہو گئے جب درخت کے پاس پہنچے۔ اور اس قدر تو خود انہوں نے بھی اعتراف کر لیا تھا۔ مگر چونکہ پھل بھی کھا لیا پس وہ ظالم سے بھی کچھ زیادہ ہو گئے اور اسی پر یہ لفظ اغوی دال ہے یہ لفظ ہمیشہ روحانی اور ایمانی گمراہی پر دلالت کرتا ہے۔

معنی لفظ غوے: سورۂ نجم میں ہے ما ضل صاحبکم وما غوی۔ بہکا نہیں تمہارا رفیق اور گمراہ نہیں ہوا۔ اس میں کسی دنیاوی یا جسمانی فساد کا اشارہ نہیں ہوتا امور عیش کے فاسد ہونے سے کوئی سروکار نہیں۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں صاحب جلالین بتلاتا ہے کہ یہاں "اعتقاد فاسد کی نفی ہے۔ اور شرح مواقف (نولکشوری) میں لکھا ہے ص ۶۹۲ المراد نفی الضلالت والغوایۃ فی امور الدین۔ یعنی نفی ضلالت و گمراہی امور دین میں مراد ہے پس ایک خاص امر میں جس بات کی نفی یہاں آنحضرت کے حق میں کی گئی اسی کا اثبات آیت زیر بحث میں آدم کی نسبت کیا گیا۔" اور ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے۔ غی" ایمانی گمراہی ہے اور رشد یعنی ایمانی ہدایت کی ضد۔ قد تبین الرشد من الغی۔ مراد اس کی یہ ہے کہ آدم پہلے خدا کے راستے پر تھا اب وہ شیطان کے راستے پر لگ گیا۔ اور گناہگاری کا یہی کنائی مفہوم ہے۔ شیطان کی راہ چلنے والوں کو غاوین کہا گیا من اتبعک من الغاوین (حجر ع ۳) اور یہ بات آدم کے عاصی ہونے کے قبل کہی گئی تھی۔ پھر جب آدم بھی شیطان کے قریب میں آ گیا اور عصیاں کر بیٹھا تو اسی معنی میں اس کو کہا گیا فغوی پس لسان العرب کچھ بھی آپ کی دستگیری نہ کر سکے گا لسان القرآن نے آپکو بے زبان کر دیا۔ اسی طرح لکھا ہے۔ برزت الجحیم من الغاوین (شعرا ع ۵) جب نکالی جاویگی دوزخ سامنے غاوین کے۔ تو کیا آپ اسی بھروسے ہیں کہ اس وقت انکا کوئی ادیب لسان العرب سے

فسد علیہ عیشہ دکھلا کر سب کو جہنم سے نجات دلائیگا؟ مرزاجی اب ایک دفعہ پھر یاد کر لو اپنا وہی اصول کہ " اس امر کا کہ قرآن شریف نے کس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے"۔ اب ہمارا طریق عمل دیکھو اور اپنا۔

حضرت آدم پر شرک کا الزام

قرآن شریف میں یہ آیت ہے ھُوَ الَّذِی خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ جَعَلَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا لِیَسۡکُنَ اِلَیۡہَا فَلَمَّا تَغَشّٰىہَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِیۡفًا فَمَرَّتۡ بِہٖ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّہُمَا لَئِنۡ اٰتَیۡتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ فَلَمَّاۤ اٰتٰىہُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیۡمَاۤ اٰتٰىہُمَا فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (اعراف ع)

مرزا کا ترجمہ مرزاجی نے اس کا نزار اردو ترجمہ یہ کیا ہے "وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا تا کہ وہ اسکے ساتھ آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا پس اس سے چلتی رہی پھر وہ جب بوجھل ہوئی تو دونوں نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار رہوں۔ لیکن جب خدا نے اُن کو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے اُس میں جو خدا نے اُن دونوں کو دیا تھا۔ بزرگ ہے خدا بلند تر اُس سے جو یہ لوگ اُسکے ساتھ ٹھہراتے ہیں" ص ۲۵۹ مرزاجی نے بے چون وچرا اسکو تسلیم کر لیا ہے کہ ان آیات میں "خدا کے شریک ٹھہرانے" کے گناہ کا مذکور ہے اور وہ اس شرک کے لیے نہ کوئی معذرت کرتے ہیں نہ تاویل۔ اور ان کو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام

مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلعم کے مخاطب ہیں۔ وہ اپنا [illegible] صرف ان لوگوں پر نکالتے ہیں جو کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ [illegible] کی جرأت کرتے ہیں کہ اس آیت میں آدم و حوا کا ذکر ہے۔ ان کے نزدیک "مصنف باتوں پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہیں ہے۔ اور اس [illegible] دلیل ان کے پاس یہ ہے کہ آدم کا نام ان آیات میں مذکور نہیں" صفحہ ۲۹ آپ کو اُن لوگوں کی نسبت جو آیت میں آدم و حوا کی طرف صریح اشارہ پاتے ہیں سخت شکایت ہے۔ گویا وہ "قرآن شریف کے الفاظ کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ وہی الفاظ ہیں جن کو مسلمان سند مانتے ہیں"۔

امر تنقیح طلب

پس اب ساری بحث اس ایک بات پر آپڑی ہے کہ آیت میں اس طرح صاف صاف تثنیہ کا صیغہ کس کے لئے آیا آدم و حوا کے لئے یا کسی اور جوڑے کے لئے۔ اس میں تو شک ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ نہ کسی واحد کا ذکر ہے اور نہ جمع کا صرف ایک جوڑے کا ذکر ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں آدم و حوا مقصود نہیں تو بھی حضرت آدم کی عصمت نہیں ثابت ہو سکتی کیونکہ وہ تو ہماری پہلی دلیل سے باطل ہو چکی لیکن اگر کہیں یہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں آدم و حوا کا ذکر ہے تو مرزا جی کا سارا کھیل بگڑ جائیگا۔ اور آپ کو قادیان میں بھی امان نہیں مل سکتی۔ اور یہ راہ مرزا جی کے لئے ہم کو پلصراط سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتی ہے کیونکہ اب اُن کے گریز کے لئے تاویل کی مفر بھی باقی نہیں رہی ؀

آدم کا نام آیت میں مذکور

ہم جو قرآن شریف کے الفاظ کی طرف [illegible] تو [illegible] ہیں کہ ان سے لیدگی کی فی الحقیقت آیت میں [illegible] آدم کا نام آیا [illegible] تو [illegible] کو بھی مان لینا چاہیئے کہ آیت میں "مشرکین عرب" کا نام [illegible] حضرت [illegible] ایک وسیع [illegible] جس سے کسی شخص کی تعیین کیا جاتا ہے [illegible] تعیین کرتا ہے۔

اگر کوئی مولانا بالفضل اولانا لکھ دیں کہ کذاب قادیانی دجال کا پیش رو ہے تو حکیم نور الدین
بھی نہ کہینگے کہ یہ ذکر خیر حضرت اقدس کا نہیں کیونکہ جناب مولوی صاحب نے مرزاجی کا نام
تو نہیں لیا۔ اسی طرح گو اس آیت میں آدم اور حوا کا نام نہیں تو بھی کسی قرآن خوان کو پڑھتے
وقت شبہ نہیں ہو سکتا کہ خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا۔ سے آدم
و حوا ہی مراد ہیں۔ اس قول میں ہم سراسر مرزاجی کے اصول تفسیر سے متمسک ہوئے ہیں
کہ قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اُس کے بعض حصے دوسروں پر روشنی ڈالتے ہیں

قرآن آپ اپنا مفسر

تو آپ سُن لیجئے سورہ نساء کی پہلی آیت میں بعینہ یہی کلام وارد ہوا یایہا الناس
اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث
منہما رجالا کثیرا و نساءً اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو
ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا اور بکھیرے اُن دونوں سے بہت مرد اور
عورتیں۔ اب تم ہی ایمان سے بتادو کہ اس آیت میں نفس واحدۃ وخلق
منہا زوجہا سے آدم اور حوا ہی مراد ہیں یا کوئی اور شخص۔ باوجودیکہ اس میں نہ
آدم کا نام ہے اور نہ حوا کا۔ مگر نہیں ہم تمہارے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈالتے کہیں
تم انکار کر جاؤ اور کہدو کہ ہر خاندان کا ایک مورث اعلے ہوتا ہے اور اُس کی جورو بھی
اُسی کی جنس سے ہوتی ہے۔ آدم اور حوا کو اس سے کیا خصوصیت و تعلق؟ اس آیت
میں بھی ذکر اُن تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلعم سے مخاطب ہیں تو ہم تمہارا کیا
کرینگے اس میں تمہارا ایمان جائیگا اور ہمارا کچھ فائدہ نہیں۔ اس لئے پہلے کان لگا کر خوب
سُن لو اور سمجھ لو کہ

حوا کی پیدائش

خلق منہا زوجہا پیدا کی اُس سے جورو اُس کی۔ یہ ایک واقعی اور
حقیقی تعریف علم دین میں حضرت حوا کی ہے اسپر توریت کتاب پیدائش ۲۱/۱۸ اور
احادیث شاہد ہیں۔ فالقی اللہ تعالی علیہ النوم ثم اخذ من اضلاعہ من شقہ

الا الیسر وضع مکانہ لحما وخلق حوا منہا ڈالی اللہ تعالیٰ نے آدم کے اوپر نیند پھر نکالی اس کی بائیں طرف کی ایک پسلی اور بھر دیا اس کی جگہ گوشت اور پیدا کیا حوّا کو اس سے (تفسیر کبیر آیت یا آدم اسکن انت و زوجک ۔ بقرہ) ۔ جناب مرزا صاحب ایک ایسے خصیم مبین اور سخن پرور ہیں کہ ہم کو اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ ایسی مضبوط نقلی دلائل کے آگے بھی سر تسلیم خم کر دیں ۔ اور کسی بات کو چاہے وہ کتنی ہی سچی ہو مان لیں ۔ پس ہم کیونکر ان حضرت سے اتنی بات منوا لیں کہ یہ آیت یعنی سورہ نساء والی آیت آدم و حوا کے باب میں ہے ۔ مگر ہماری مشکل آسان ہے ۔

مرزا جی کا اقرار یہ جو کچھ ہم نے کہا مرزا ان سب کو مان چکے ہیں ۔ وہ اپنے ریویو نمبر ۵ بابت مئی ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۱۷۹ میں فرماتے ہیں ۔ خدا نے حوّا کو علیحدہ پیدا نہ کیا بلکہ آدم کی پسلی کر اسکو نکالا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے خلق منہا زوجہا یعنی آدم کے وجود میں سے ہم نے اسکا جوڑا پیدا کیا جو حوّا ہے "۔

مرزا جی پر سوال اشد ہم پوچھتے ہیں کہ اس آیت میں آدم کا نام کہاں سے آیا اور حوّا کا کہاں سے ؟ بلکہ حوّا کا نام سارے قرآن میں بھی کہیں نہیں ہے پھر تم نے کہاں سے آدم کی پسلی کا ذکر پایا اور کہاں سے "آدم کے وجود میں سے" حوّا کا پیدا ہونا بیان کیا ۔ پس جب تم نے اس بات کو قبول کر لیا کہ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا میں نفس واحدۃ سے مراد صرف آدم ہے اور زوجہا سے حوّا اور خلق منہا میں اشارہ آدم کی پسلی کی طرف ہے جس سے حوّا پیدا کی گئی تو پھر آیت متنازعہ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا کی نسبت کیوں ہٹ دھرمی سے کہتے ہو کہ اس میں آدم اور حوّا کا نام نہیں ہا تمہارے ہی اپنے قول اور قاعدے سے یہ آیت حرف حرف صرف آدم اور حوّا پر صادق آتی ہے ۔ اور از آدم تا ایں دم کوئی دوسرا البشر اس کا مصداق نہیں ہو سکتا ہے ۔ ان دونوں آیتوں میں صرف ایک لفظ کا بدل ہے پہلی آیت

میں لفظ خلق ہے اور دوسری میں جعل۔ مگر معنی میں دونوں لفظ بالکل واحد ہیں ذرا بھی فرق نہیں۔ جس طرح خلق کے معنی مرزا نے "پیدا کیا" بتلائے اُسی طرح جعل کے معنے بھی "پیدا کیا" لکھے۔ اور اس میں لفظ منہا ہے جس کے معنی ہیں "آدم کے وجود میں سے" پس اگر تمہارا ایمان قرآن پر دراصل کچھ ہے تو کیوں ہمارے مقابلہ میں ہٹ اور ضد سے جو روحانی بزدلی وجبن پر دال ہیں یہ کہنے کی جرأت کرتے ہو کہ "آدم کا نام ان آیات میں ہرگز مذکور نہیں"۔ مرزا جی نے اپنی سخن پروری میں جو کچھ لکھا ہے وہ حرف حرف امام رازی کی تفسیر کبیر سے اُڑایا ہے۔ امام رازی نے حضرت آدم کی عصمت کے اثبات میں بڑی کوشش کی ہے کہ کسی طرح اُن پر سے شرک کا الزام ہٹاویں۔ اور یہ خطرناک آیت اُن سے منسوب نہ ہونے پائے۔ مگر جب وہ ناکام رہے تو ہمارے بیچارے مرزا کی کیا بساط کہ زبان کھول سکیں۔

امام رازی کا اقرار

اور گو اب کوئی دیانت سے بالکل ہاتھ اُٹھا ہے مگر امام رازی نے اور مقامات میں جہاں اُنکو مخالفین کے اعتراض کا اندیشہ نہ تھا سچی بات کا بھی اقرار کر لیا ہے۔ اور آیت متنازعہ میں آدم اور حوا کے ذکر کو تسلیم کیا۔ ہم یہاں امام صاحب کی مدد کے محتاج نہیں۔ ہم تو اپنے دعوے کو قرآن وحدیث کے الفاظ سے ثابت کرتے ہیں مگر چونکہ امام رازی کو مرزا جی نے "مفسرین میں سب سے بڑھ کر" ایک جگہ مانا ہے (ریویو جلد ۲ صفحہ ۲۹۳) اس لئے مرزا جی پر حجت قائم کرنے کے لئے ہم اُن کے قول کا حوالہ دیتے ہیں سورہ بقر میں آیت اسکن انت و زوجک الجنۃ کی تفسیر میں امام صاحب لکھتے ہیں "علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوجہ سے حضرت حوا مراد ہیں۔ اگرچہ اس سورۃ میں انکا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا مگر قرآن کی اور آیات سے اسکا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ چنانچہ خدا تعالے سورۃ نساء میں فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور سورہ اعراف میں ہے وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (ترجمہ تفسیر کبیر ص ۲۳۳) اور یہی آخری آیت زیر بحث ہے۔ امام
رازی کی زبان پر تو حق جاری ہو گیا۔ انہوں نے یہاں مان لیا کہ یہ آیت آدم اور حوا
کے باب میں ہے۔ مگر کتنی بے انصافی ہے کہ مرزا جی سورہ نساء کی آیت کو تو آدم اور حوا
کا مذکور مانتے ہیں لیکن سورۂ اعراف میں جب وہی آیت آئے تو بے محابا کہہ دیں کہ یہ آدم
و حوا کا ذکر نہیں یہاں تو انکا نام وارد نہیں ہوا۔ آدم و حوا سے اس آیت کو منسوب
کرنا صرف کسی مفسر کی مردود رائے ہے"۔

محقق مفسرین کی رائے

یہ قول خود مردود ہے۔ مرزا جی! آپ انہیں الفاظ کو سورہ نساء میں
آدم اور حوا سے منسوب کر چکے اب تو ہم نے یہ بھی دکھلا دیا کہ امام رازی
نے بھی اسکو ایک مقام پر تسلیم کر لیا ہے۔ اسی رائے کو امام بغوی سے مستند مفسر نے
تفسیر معالم التنزیل میں قبول کیا۔ اسی کو صاحب مدارک التنزیل نے تفسیر میں آیت میں ممتاز
جگہ دی۔ اسی کو حسینی نے بیان کیا۔ اور اسی کو جلالین سی معتبر اور مستند تفسیر نے جو
درسی کتب میں داخل ہے اختیار کیا۔ جن کو ہم ابھی نقل بھی کرینگے تاکہ مرزا جی کو
آیت کے ایسے صحیح اور سچے معنی کو "کسی مفسر کی مردود رائے" کہنے کی پھر جرأت نہ ہو
اب تک تو ہم نے اپنے معنی کی تحقیق میں صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کیا اور معنی
کرنے میں انہیں معنوں کو صحیح سمجھا جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں سے مخالف
نہیں اور جن کا موید خود قرآن شریف ہے۔ اب جو ہم نے معتبر اور محقق مفسرین کا اس
جگہ حوالہ دیا تو یہ صرف "تائیدی رنگ میں ہے" تاکہ مرزا کی غلط بیانی طشت از بام
ہو جائے ورنہ ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی رہی۔
اور یہ روش مرزا جی کو کبھی بھی نصیب نہ ہوئی۔ جب قرآن شریف کے معنی کرنے میں
وہ ہمیشہ بہکا کئے تو کیا مجال کہ وہ عیسائیوں کے علوم دین میں دخل دیں۔ اور

انجیل شریف کی ایک آیت کے معنی بھی صحیح لگا سکیں۔ جیسا ہم عصمت مسیح کی بحث میں
قدم قدم پر الم نشرح کر چکے ہے

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست — چون ندانی کہ در سرائے تو کیست

اس خاص آیت کی صحیح تفسیر میں ہم حدیث شریف کی سند دیکر بھی ثابت کئے دیتے ہیں کہ
حدیث شریف کی سند آیت میں جعل منہا زوجہا سے مراد حوا ہیں اور ان سے شرک
سرزد ہوا تھا اور اسی کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ مرزا جی نے اپنی زبان سے
اقرار کر لیا ہے کہ "اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے
نکلی ہوئی ثابت ہو تو اسکو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائیگا"۔ پس واضح
ہو کہ صفحہ ۱۵۰ ابن الکلف لکھتا ہے "الذی خلقکم من نفس واحدۃ
ای آدم وجعل خلق منہا زوجہا حوا" یہ مفسر شرک کی تاویل کرتا ہے۔
مگر مرزا جی جو کسی مفسر کی سنتے نہیں۔ وہ اس میں تاویل روا نہیں رکھتے۔ وہ کہتا ہے
کہ شرکیہ نام رکھنے میں تھا کہ بچے کا نام عبد الحارث رکھا۔ یہ اشراک فی العبودیت نہیں۔
جلال الدین سیوطی اس آیت کے حضرت آدم اور حوا کے حق میں ہونے کی تائید میں حاکم
اور ترمذی کی صحیح اور حسن حدیثوں کی سند دیتا ہے "عن سمرۃ رض عن النبی صلے
اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حوا وطاف بہا ابلیس وکان لا یعیش
لہا ولد فقال سمیہ عبد الحارث فانہ یعیش فسمتہ فعاش فکان
ذلک من وحی الشیطان وامرہ"

ترجمہ "روایت کی سمرہ رض نے نبی صلعم سے کہ فرمایا تھا کہ جب حوا کے بچہ پیدا ہوا تو ابلیس نے
اسکو آگھیرا اور حوا کی اولاد نہ جیتی تھی۔ پس شیطان نے حوا سے کہا کہ بچے کا نام عبد الحارث
رکھ دے تو وہ جیئے گا۔ پس حوا نے اسکا یہی نام رکھا اور وہ جیا اور یہ بات شیطان کی
وحی اور اس کے حکم سے واقع ہوئی"۔ حدیث شریف میں صرف حوا کا مذکور تھا اس میں

آدم کا ذکر متروک تھا۔ مگر قرآن شریف نے اُسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے اس امر کی پوری تصریح کردی ہے کہ جعلا لہ شرکاء آدم اور حوّا دونوں نے شرک کیا تھا۔ شاید حضرت حوّا نے شرک پہلے کیا تھا اور آدم اُن کے شرک میں شریک ہوگئے۔ حدیث میں صرف حضرت حوّا کے فعل کا بیان مقصود تھا۔ یہاں دونوں کے فعل کا تذکرہ کردیا کہ "وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے"۔ یہ حدیث جامع ترمذی ابواب التفسیر سورہ اعراف میں وارد ہے اور اس صحیح ترمذی کے اوپر مرزاجی کی عنایت بھی خاص ہے کیونکہ آپ فروری و اگست ۱۹۰۲ء کے ریویو میں اسکی شرح کا اشتہار ان الفاظ میں دیتے ہیں "صحاح ستّہ کی مشہور کتاب ترمذی"۔

مرزاجی کے فہم کا قصور

اس لئے ہم نے اس کتاب کی سند پکڑی۔ ہم تو یہ سب کچھ کہہ چکے مگر مرزاجی کا فہم یہ سمجھنے میں قاصر ہے کہ جب آیت میں اوپر صیغہ تثنیہ کا استعمال ہوچکا تھا تو آخر میں کیوں جمع کے صیغہ لیشرکون کی ضرورت پڑی۔ وہ تو ہم کو یہ نہ سمجھا سکے کہ آیت میں اگر آدم اور حوّا کا ذکر نہیں تھا تو پھر تثنیہ کا صیغہ کیوں آیا کیونکہ تثنیہ سوائے دو کے تیسرے کیلئے نہیں آتا۔ مگر ہم اُنکو سمجھائے دیتے ہیں کہ جو افعال تنہا آدم یا حوّا کی ذات خاص سے مخصوص تھے وہ تو صیغہ واحد میں آئے جیسے تغشّٰھا۔ حملت۔ اثقلت۔ مرّت اور جن افعال میں دونوں کی شرکت تھی اُن کے لئے صیغہ تثنیہ موضوع ہوا جیسے دعوا جعلا۔ آتٰھما۔ مگر جو فعل ایسا تھا کہ اس میں نہ صرف آدم اور حوّا بلکہ اُنکی اولاد میں تمام جہان کے مشرکین سب ہی شریک تھے اُسکے اظہار کے واسطے سوائے صیغہ جمع کے اور کچھ آ ہی نہیں سکتا تھا اسلئے آخر فقرے میں تمام مشرکین کے شرک سے بیزاری ظاہر کی۔ فتعلی اللہ عمّا لیشرکون اور یشرکون سے آدم اور حوّا خارج نہیں ہوتے بلکہ اُن کے ساتھ کل مشرکین کو داخل کیا کیونکہ یہ فعل آدم اور حوّا سے مخصوص نہیں رہا۔ اور جو تم نے یہ کہا کہ اگر یہ انہیں (آدم و حوّا) کے شرک کا ذکر ہوتا تو آخری الفاظ یوں ہونے چاہئیں تھے

کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس کے شریک ٹھہرائے " تو اِس سے بڑی خرابی واقع ہوتی اور یہ ایک ایسی بدتمیزی ہوتی جسکے مرتکب صرف جہلاء قادیاں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مراد یہ ہو جاتی ہے کہ خدا صرف آدم اور حوّا کے شرک سے بیزار ہے دیگر مشرکین کے شرک سے اسکو بیزاری نہیں۔ اور ہم قرآن کو اس قسم کی غلطی سے بہت بلند و بالا سمجھتے ہیں ؛

ناظرین اب انصاف سے دیکھ لو کہ ہم نے کس طرح "اپنی تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر رکھی۔ ہم نے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی اور قرآن کے مطالب کی تشریح آنحضرت صلعم کے مُنہ سے نکلی ہوئی حدیث شریف سے بھی کی۔ اور "صرف تائیدی رنگ میں "معتبر اور محقق مفسرین" کا زور دکھلایا۔

مرزا جی کی قرآن دانی کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مرزا جی نے قرآن شریف کے اُن خاص الخاص بعض حصوں کو پس پشت پھینک دیا جو دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں" اور بجائے اس کے کہ آیۃ خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا کی تشریح میں وہ سورہ نساء کے متحد اللفظ و المعنی آیت خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً و نساءً کو پیش کرتے ہیں جسکو وہ خود آدم اور حوا کے حق میں ثابت کر چکے۔ یا دوسری ہم معنی آیۃ کو یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثٰی وجعلنٰکم شعوبًا و قبائل۔ اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور ایک مادہ سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور گوتیں (حجرات ع) وہ بات بنانے کے لیئے حیلہ ڈھونڈتے ہیں اور ایسی صاف صاف آیات سے آنکھ بند کرکے (سورہ روم ع) وخلق لکم من انفسکم ازواجًا کا حوالہ دیتے ہیں (جلد ۲ صہ ۲۶۳) جس کے معنی ہیں بنا دیئے تم کو تمہاری جنس سے جوڑے۔ اور یہ غالبًا اشارہ عرب کے رواج کی طرف ہے کہ شادی بیاہ قریبی رشتہ داروں یعنی ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی

دادا یا نانا کی اولاد میں ہوتا ہے۔ مگر مرزا جی بات بناتے ہیں کہ "قرآن شریف کے رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اُسی سے پیدا کی گئی"۔ اگر دراصل اس جگہ اس طرف اشارہ بھی ہوتا تو یہ سخن محض مجاز پر مبنی ہوگا نہ کہ حقیقت پر۔ کیونکہ حقیقتاً تو خدا نے صرف حوا ہی کو "آدم کی پسلی سے نکالا" اور "اُسکے وجود میں سے پیدا کیا"۔ اور تمام عورتوں کی فطرتی پیدائش کا تو یہ طریق نہیں ہے۔ پس انکو صرف مجازاً حوا کی اولاد ہونے کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مردوں سے پیدا ہوئیں اور مردوں کی پسلیوں سے بنیں۔ دیکھو اسی مقام پر سورہ روم میں لکھا ہے خلقکم من تراب تم انسانوں کو خاک سے پیدا کیا۔ یہ بھی مجاز ہے کیونکہ حقیقتاً تو انسان کی پیدائش من نطفۃ ہے۔ اور فی الواقع صرف آدم ہی کو کہہ سکتے ہیں کہ خلقہ من تراب۔ پس حقیقت اور مجاز میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے یا دیدہ و دانستہ بات بنانے کی غرض سے مرزا جی نے خلق لکم من انفسکم ازواجا و جعل منہا زوجہا کی تفسیر بنایا ہے۔ گویا قرآن میں اُن کی نظر سے کوئی اس سے زیادہ متعلق آیت کبھی نہیں گذری۔ اور گویا انہوں نے خلق منہا زوجہا کبھی پڑھا ہی نہیں تھا۔ جس میں آدم اور حوا کی پیدائش کے حقیقی واقع کا اشارہ ہے۔ کیا اسی جہل کی دستار فضیلت پر آپ مسلمانوں کے عظیم الشان امام بنکر دعوے عرفان الٰہی وعلم ربانی کرتے ہیں۔ پس جب تم مان چکے کہ اس آیت میں مشرکین کا بیان ہے کہ کیونکر "وہ خدا کے شریک ٹھہرانے لگے" اور جب قرآن سے اور حدیث سے بلکہ خود تمہارے اقرار و تسلیم سے ہم نے ثابت کر دیا کہ آیت میں آدم اور حوا کا ذکر ہے تو پھر تمہاری کیسا مجال ہے کہ تم حضرت آدم کو "شرک جیسے قبیح گناہ" سے معصوم کہہ سکو۔ کیونکہ تم نے تو تاویل کی بھی راہ مار دی جسکو علمائے اسلام اختیار کرتے تھے۔ تم تو صاف صاف ترجمہ کر چکے کہ "وہ دونوں خدا کے شریک ٹھہرانے لگے اُس میں جو خدا نے اُن دونوں کو دیا تھا" صفحہ ۲

مرزاجی کی ناعاقبت اندیشی اور حضرت اسماعیل کی عصمت

مرزاجی کی ایک اور ناعاقبت اندیشی بھی قابل ملاحظہ ہے۔ آپ تو یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ یہ آیت حضرت آدم پر چسپاں ہو سکتی ہو کیونکہ اس میں صریح شرک کا ذکر ہے مگر آپ یہ ضرور فرماتے ہیں "اگر خلقکم میں ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحد عرب کا جد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے"۔ اور پھر یہ بھی مانتے ہیں کہ "سیاق وسباق آیت انہیں معنوں کو ترجیح دیتا ہے" صہ ۲۶۳ مرزا (اس) وقت بالکل بھولے ہوئے ہیں کہ ہم ہزار جگہ اسکو قبول کر چکے اور تمام مسلمان ہمیشہ سے مانتے آئے کہ عربوں کا جد مشترک "حضرت اسماعیل ہیں اور رسول صلعم اسماعیلیوں میں سے پیدا ہوئے تھے اور توریت کی پیشگوئی کے مطابق اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے تھے" جلد ا صہ ۲ اور خود آنحضرت نے عربوں کو بنی اسماعیل فرمایا ہے۔ ارمیا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیا (مشارق الانوار نمبر ۳۰۹) تو اگر آیت آدم کے حق میں نہیں ہے تو پھر حضرت اسماعیل کے حق میں اور ان کی زوجہ کے حق میں یقینی ہوئی "جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے"۔ اسماعیل قرآن اور اسلام کا نبی ہے پس اگر آدم شرک کے مرتکب نہ بھی ہوئے تو اسماعیل شرک کے مرتکب ضرور ہوئے اور عصمت انبیا کا دعوے پھر باطل ہو گیا۔ حق یہ ہے کہ مرزاجی کو آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا یہ سب حافظہ نباشد کے کرشمے ہیں۔

فصل الخطاب اس کل تقریر میں ہم ایک ایسا اہم عقیدہ حل کر چکے ہیں جس سے عصمت انبیا کی بحث قطعاً طے ہو جاتی ہے۔ یا تو حضرت آدم نبی نہ تھے یا نبی تھے مگر گنہگار وغیر معصوم۔ پس عصمت نبوت کے لئے لازم نہ ٹھیری۔ کچھ ضرور نہیں کہ جس کو نبی مانیں اسکو ہم معصوم عن الخطا بھی مانیں۔ ہم کسی کو بھی معصوم نہیں مان سکتے تاوقتیکہ کتب آسمانی اس کی عصمت پر گواہی نہ دیں۔ ہم نے خوب تحقیق کی صدق دل سے یہودیوں

عیسائیوں اور مسلمانوں کی کتب ایمانیہ پر غور و خوض کیا اور سوائے حضرت مسیح کے ہم کو
کسی کی عصمت ثابت نہ ملی۔ پس محض کتابی دلیل سے ہم نے عصمت کو خاصہ نبوت نہیں
بلکہ اسکو صرف کلمۃ اللہ کا خاصہ مانا۔ سارے قرآن میں ایک آیت بھی نہیں جو بطور نص
قاطع عصمت انبیاء پر دال ہو سکے۔ اور اب تو ہم مرزاجی کو تحدّی بھی کر چکے۔ اگر
قرآن میں کوئی ایسی آیت ہو تو ع زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند۔
ان کو پیش کر دینا واجب ہے۔ مگر ہم کو تو ایسی توقع نہیں ہو سکتی کیونکہ جب قرآن شریف
نے ایسی لفظی اور معنوی صراحت سے آدم کو غیر معصوم اور گنہگار قرار دے دیا تو کیا
قرآن شریف اپنی ضد میں مرزاجی کے ہاتھ کوئی نص دے دیگا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں

عصمت انبیاء یا عصمت صلحاء

مرزاجی کہتے ہیں کہ "اور کئی مقامات بھی ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام اور
راستبازوں کی خداتعالے نے ایسی تعریف کی ہے جس سے اُن کا معصوم
اور خدا کی نظر میں موردِ غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے" جلد ا صفحہ ۳۸۳ پھر یہ بھی لکھتے
ہیں کہ "انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے بری ٹھہرایا ہے"
جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔ اگر عصمت کے معنی یہ ہوتے کہ اختیار و قدرت رکھتے ہوئے انسان خدا
کی اطاعت کرے اور نافرمانی سے بچا رہے یعنی مرتکب عصیان نہ ہو تو اس معنی پر
قرآن کی ایک آیت بھی شاہد نہیں کہ کوئی نبی چہ جائیکہ اُسکا اُمتی "راستباز" معصوم
ہے۔ مگر تم بھول جاتے ہو جب تم "راستبازوں" کو بھی "انبیا علیہم السلام" کے ساتھ
معصوم بنانے لگے تو عصمت انبیا کا مسئلہ ٹل گیا اور عصمت کوئی خصوصیت نبی کی نہ
رہی۔ تم تو اب عصمتِ صلحاء کے قائل ہو گئے اور غلطی پر غلطی کر بیٹھے۔ اور بالکل بھول گئے
"خطاء آدم فخطات ذریتہ" آدم نے خطا کی پس اُس کی نسل نے بھی خطا
کی۔ پھر تمہارا یہ سخن بھی باطل ہو گیا کہ انبیا "ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لئے
بری ہیں" کیونکہ ہم تو دکھلا چکے کہ حضرت آدم کو ضرور سزا ملی وہ جنت سے جلاوطن

کئے گئے۔ لیکن مانا کہ انبیا سزا سے محفوظ ہیں اور بہ شمولیت راست بازوں کے وہ خدا کی نظر میں مورد غضب نہیں۔ تو معصوم ہونا گویا گناہ کی سزا سے محفوظ ہونا ہوا اور اسکو عصمت سے کچھ لگاؤ بھی نہیں جس کے معنی گناہ سے محفوظ ہونا ہے نہ کہ صرف سزائے گناہ سے۔ اور اگر سزا سے محفوظ ہونے کا نام معصوم ہونا ہو تو سب سے زیادہ معصوم بدری صحابہ ہیں جن سے موافق حدیث کے اللہ عہد کر چکا اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ جو تمہارا جی چاہے کیا کرو میں تو تم کو بخش چکا۔ (مشارق الانوار حدیث نمبر ۸۵۹) ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی اب تک یہی نہیں سمجھے کہ معصوم کس کو کہتے ہیں۔ عصمت سے کیا مراد ہے اور وہ کیوں عصمت انبیاء ثابت کرنے چلے۔ اور پھر کیوں عصمت روح اللہ سے انکو پرخاش ہے۔ منطق میں ایسی آشفتگی اور ژولیدگی ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔ چونکہ اہل اسلام عصمت انبیا کے قائل ہیں اسلئے ان کے اکثر علماء اس مسئلہ کی حمایت میں ہمیشہ لکھتے رہے اور بہت کچھ رطب و یابس لکھ چلے مگر ہم نے کسی تقریر میں ایسی خامی اور ناکامی آج تک نہیں دیکھی جیسی جناب مرزا صاحب کی تقریر میں۔ اور اگر خدا نخواستہ چودھویں صدی کے پُر آشوب زمانہ نے مسلمانوں کا یہی امام پیدا کیا اور یہی اسلام کو زندہ کرنے والا ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

عشرہ کاملہ

تحقیقِ معنیٔ استغفارِ ذنب

توبہ آں جو یدکہ کرد است آں گناہ　　آہ او گوید کہ گم کرد است راہ

عصمتِ انبیا کی عام بحث میں اسوقت تک آپ لوگوں نے مرزا جی کی زبان مبارک سے جو کچھ سنا وہ سب علماء سلف کا فرمودہ تھا۔ جو کچھ بدتمیزی اِس میں بھی وہ ضرور مرزا جی کی اپنی ہے۔ اب اس باب میں ہم مرزا جی کے طبعزاد سے بحث کرینگے۔ یہ خیالات نرے اُنکے اپنے ہیں جو علماء سلف یا خلف کو نہیں سُوجھے اور سوجھتے بھی کیسے۔ ان میں کوئی بات بھی علم کے متعلق نہیں:

مرزا جی کا طبعزاد

یہ مضمون ہم نے ابتداءً مرزا جی کے انگریزی ریویو ستمبر ۱۹۰۲ء کے جواب میں کلکتہ کے اخبار ایںغنی نومبر ۹ و ۲۳ دسمبر ۱۹۰۲ء کے واسطے لکھا تھا وہ آجکل اب جناب جمیس منرو صاحب کیپٹین آف دی آرڈر آف دی باتھ کے انگریزی رسالہ مسلم ٹیچنگ میں درج ہے۔ اُس وقت ہمارا ارادہ تھا کہ یہ کل مضامین انگریزی میں لکھیں اور اُس وقت تک ہماری نگاہ سے صرف انگریزی پرچہ ریویو گذرا تھا۔ مگر ہم کو فوراً معلوم ہو گیا کہ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مرزا جی کے خیالات کو اتنی وقعت بھی حاصل نہیں ہوئی جتنی انگریزی زبان میں نجوم اور جادو [illegible] اور رفالناموں کو حاصل ہے* یہ لوگ تو مرزا جی کو ایک صحیح العقل آدمی بھی نہیں جانتے اور کیونکر جانیں جب اُن کا لیڈر سرسید [illegible] [illegible] گیا۔

مرزا جی اور تعلیم یافتہ مسلمان

فٹ نوٹ* ۔ کوئی صاحب کمال الدین سکرٹری [illegible] [illegible] اور مرزائی [illegible] ۔ اگست ۱۹۰۳ء [illegible] کرنے کی کوشش میں [illegible]

ہالِ زنگ [illegible]

پس ایسے مردود خیالات کو انگریزی تعلیم یافتہ گروہ کے لئے زبان انگریزی میں رد کرنا تحصیل حاصل تھا۔ اور ہم نے اس ارادے کو فسخ کر کے اپنا مضمون عام فائدہ کے لئے اردو میں ترجمہ کیا اور ترقی کا ہود سے کالموں کے لئے سلسلہ مضامین اردو میں جاری کر دیا۔

اور یاد قعت ہونا" ذہن نشین کراتے ہیں۔ اور آپ کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ "حضرت اقدس کی پورے قد کی تصویر مختلف ممالک یورپ و امریکہ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ شائع ہو رہی ہے"۔ ہندوستان کا حال تو ہم کو معلوم ہے۔ رہی غربی دنیا۔ تو دور کے ڈھول سہاونے ہوتے ہیں مگر اس میں زیادہ تر آپ کی خوش فہمی ہے۔ مرزا جی خاطر جمع رکھیں کہ اہل فرنگ ہر عجوبۂ روزگار کی تصویر سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ڈوئی ان کے حریف کو یہ فخر مرزا جی سے پہلے حاصل ہو چکا۔ بلکہ ممالک متوسط کا نانتیا بھیل بھی یہ اعزاز اہل فرنگ کے ہاتھوں پا چکا۔ آپ سینکڑوں کاپیاں اپنے ریویو اور حضرت اقدس کی تصویر کی فرنگستان کے اہل مطابع کو ہر ماہ مفت روانہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھلے آدمی شکریہ کے ساتھ رسید دیتے ہیں۔ اور مفت راچہ گفت۔ ان لوگوں کو مسلمانان ہند کے ایک خبطی کے منہ سے اسلام کی بیخ کن باتیں سنکر تعجب آتا ہے کہ کبھی تو یہ شخص مغربی خیالات کا ایک پارچہ کمخواب ہاتھ میں لئے نظر آتا ہے اور کبھی ملانے خیالات کا ٹکڑہ دھوتر اور پھر کبھی ان دونوں کو جوڑ کر ایک دو پلی ٹوپی سر پر دھر کر سب کو ہنسا دیتا ہے۔ اور آجکل تو وہاں ڈوئی اور دیگر مدعیان مسیحیت کا چرچا ہو رہا ہے اور جیسا ہندوستان میں ان دونوں کے سر آپ کے سر کے ساتھ لڑائے جاتے ہیں ایسا ہی وہاں آپ کا سر انکے سروں کے ساتھ لڑایا جاتا ہے پھر کیوں حضرت اقدس کی تصویر دلچسپی سے خالی ہو آپکی ایک تصویر کی زیارت ہم کو بھی ہوئی ہے جو سرینگر کے مقبرے کی تصویر کے ساتھ انگریزی دو ورقہ میں چھپی ہے۔ اس میں ایک بڑی دلچسپی کی بات ہم نے بھی دیکھی کہ حضرت اقدس نے داہنی آنکھ تو بالکل بند کر لی ہے اور بائیں کو ضرورت سے زیادہ ابھار دیا ہے۔" اس تصویر کو ہم نے ایک مسلمان دوست کو دکھلایا وہ عین پر نقطہ دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھا "چشم بد دور۔ یک چشم تو کور ست۔ دگر چشم تو چیست"۔ ہم نے کہا ایسے مست ہو کر دجال کو مارنے آئے ہیں۔ بولا "خوب! کیا اس ترچھی چتون سے؟" یہ تصویر بیشک اسلامی دنیا کیلئے دلچسپی کا گودام ہے۔ نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے اسکو دیکھا یا نہیں۔ اس رمز کو یا وہ فرنگی کیا سمجھیں۔

تاکہ ان اہل اسلام کو فائدہ پہنچے جو ان خیالات کی تردید یا ترویج میں کچھ دلچسپی رکھتے ہیں ہم اپنے مضمون کو یہاں اضافہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بیشتر انگریزی کا ترجمہ ہے اس لئے مرزاجی کی وہ عبارات جو بلا حوالہ اس میں آئی ہیں انگریزی ریویو بابت ماہ مئی ۱۹۰۲ء کے مطابق ہیں اور اگر اُن کے اردو رسالہ سے لفظاً متفق نہ ہوں تو جاننا چاہئے کہ ہمارے ترجمہ میں فرق نہیں بلکہ مرزاجی کے اردو رسالہ میں۔ ناظرین اصلی انگریزی سے مقابلہ کر کے جانچ سکتے ہیں ؛

قرآن شریف کی نص ہے واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمومنات (محمد ع۲)

اول۔ آیت کا صحیح لفظی ترجمہ یہ ہے "معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے"۔ مترجمین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ الفاظ "واسطے گناہ کے"

صحیح ترجمہ | آیت کے فقرہ ثانی میں لازمی طور پر محذوف ہیں۔ چنانچہ شرح مواقف میں ہے ای ولذنب المومنین لدلالۃ القرینۃ السابقۃ وہی ذکر الذنب (نولکشوری ص ۱۳) یعنی قرینہ سابقہ ذکر ذنب کا اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس ساری آیت کا ترجمہ یہی کیا گیا "معافی مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے گناہ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے"۔ مگر ایسی سیدھی اور سچی بات کو اگر مرزا صاحب مان لیں تو قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع "ہونے کے دعوے میں شبہ لگ جائے (جلد ا ص ۳۰۲) اس لئے آپ آیت کے معنی اس پیچیدہ عبارت میں بیان فرماتے ہیں

مرزاجی کا غلط ترجمہ | "خدا سے دعا مانگ کہ وہ تیری ذات کو جسم کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور تجھکو تقویت بخشے کہ تو اس کمزوری سے مغلوب نہ ہو جائے۔ اور بطور شفاعت کے اُن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی دعا کر جو تجھپر ایمان لاتے ہیں تاکہ وے اُن خطاؤں کی سزا سے بچائے جائیں جو ان سے سرزد ہو چکیں وغیرہ"۔

افسوس اِس آیت کریمہ کی مرزاجی نے کیسی گت بنائی۔ جائے غور ہے کہ الفاظ استغفر (معافی مانگ) اور ذنب (گناہ) صرف ایک ہی دفعہ اِس آیت میں وارد ہوئے اور وہ بھی صرف فقرۂ اول میں۔ لیکن وہی الفاظ فقرۂ ثانی پر بھی محذوف ہو کر حاوی ہیں۔ پس ذرا بھی شک نہیں کہ کل آیت میں صرف ایک ہی معنی لگائے جا سکتے ہیں چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر مرزاجی کی زبردستی تو دیکھو کہ کیسی جرأت سے آپ اصل فقرہ میں جہاں لفظ وارد ہوا ہے ذنب کے معنے "جسم کی کمزوری" فرماتے ہیں۔ اور فقرہ محکوم میں جہاں لفظ ذنب صرف محذوف ہے "خطائیں جو سرزد ہو چکی ہیں"۔ گویا مرزا ہم سے کہتے ہیں کہ اِس آیت میں قرآن کو الگ الگ دو مختلف المعنے الفاظ لانا چاہیے تھا اور یہ محض اس کی غلطی تھی کہ ایک ہی لفظ لایا اور وہ بھی صرف ایک ہی دفعہ اور غلط مقام پر۔ مرزاجی نہ منطق کے پابند ہیں نہ قواعد تفسیر کے +

دوم۔ لفظ استغفار کے معنے۔

مرزا کی غلط بیانی

آپ فرماتے ہیں "لفظ استغفر کے معنی ہیں خدا سے دعا مانگنا کہ بندہ کو جسمانی کمزوری کے غلبہ سے محفوظ رکھے۔ انسانی فطرت کو تقویت بخشے اور بندے کو اپنی پناہ اور اپنی امان میں لے" +

(۱) اِس معنی کی تائید میں جنکے "سچے اور اصلی معنی" ہونے پر اس قدر تاکید ہے مرزاجی کسی کتابِ لغت کی سند پیش کرکے اپنے ناظرین کی تشفی نہیں فرماتے۔

(۲) نہ اِس معنی پر جناب قرآن شریف سے کوئی مثال ہی پیش کرتے ہیں۔

استغفار کے صحیح معنے

(۳) ہاں آپ یہ البتہ فرماتے ہیں کہ "بعض موقعوں پر معنے کو وسعت دی جاتی ہے اور تب لفظ کے معنے سرزد شدہ خطاؤں کے نتائج سے خدا کی حفظ مانگنا ہو جاتے ہیں"۔

اِس معنے کو صرف "بعض موقعوں" پر محدود فرمانا جناب کی خطا ہے کیونکہ ہمیشہ اور ہر جگہ لفظ استغفار کے یہی معنے آتے ہیں خصوصاً لفظ ذنب سے ملکر جیسا اِس آیت میں ہے۔ استغفار کی یہی مراد ہوتی ہے کہ خدا سرزد شدہ گناہوں کی سزا سے بچاوے۔ ہم مرزاجی کے اصول تفسیر کو مدِنظر رکھکر اس معنی

پر قرآن شریف سے نظائر بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ اہل بہشت اور محسنین کی شان میں آیا ہے۔
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران ع۱۴)
اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کوئی کھلا گناہ یا برا کریں اپنی جانوں کا تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں
اپنے گناہوں کی"۔ اس آیت سے استغفار اور ذنب کے "سچے اور اصلی معنے" بالکل روشن ہو
جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ استغفار کس اصول پر مبنی ہے۔ یعنی استغفار کا موقع
بھی ہوتا ہے جب بندہ کوئی کھلا گناہ کرے یا اپنی جان کا برا کرے۔ ایسا ہی دوسرے مقام
میں لکھا ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ جو کوئی بدی کرے یا اپنی جان
کا برا کرے پھر اللہ سے استغفار کرے (النساء ع۱۶)+

مرزا جی کی شرط (۴) مرزا جی کو اعتراف ہے "ایسی وسعت معنوں میں جائز ہے جب متن کلام
اس کا متقاضی ہو۔ بچشم ما روشن۔ اب جناب ہی دیکھ لیں کہ آیت زیر بحث کا متن کوئی بھی فرق
درمیان نبی اور اسکے مومنین کے نہیں کرتا۔ ایک ہی لفظ کل پر حاوی ہے۔ نبی کی شان میں صریحاً
مومنین کی ضمناً۔ پس ایسی وسعت یہاں تو ضرور جائز رکھنا ہوگی۔

مغفرۃ کے معنی مرزا جی فرماتے ہیں "استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اسکے اصلی معنے دبانے
اور ڈھانکنے کے ہیں" ص ۱۹۱ لیکن انہوں نے پھر یہ سراسر غلط کہا کہ "یعنی یہ درخواست کرنا کہ
بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان نہ پہنچاوے اور وہ ڈھکی رہے" نہ اسلام میں اور نہ اہل کتاب
کے دینی علم میں کبھی ایسے معنی آئے۔ یہ تو ایک اصطلاح ہے اور اسکے معنی معروف ہیں۔ ہر قسم
کے ڈھکنے کو غفر نہیں کہتے ستر پوشی غفر نہیں بلکہ صرف گناہ کا ڈھکنا غفر ہو سکتا ہے۔ زبور ۳۲
میں ہے "مبارک ہیں جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں اور جنکے گناہ ڈھانکے گئے"۔ اور گناہ کے
ڈھکنے سے کئی نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ جب گناہ ڈھک کر چھپ گیا تو گویا اسکو خدا نے بھی بھلا
دیا اور وہ محسوب نہیں ہوا اور ڈھانکا جانا اسکے تیر کے سامنے گویا ڈھال ہو جانا ہوا۔
اور اس میں ایک اور بہت ہی لطیف معنی بھی ہے کہ خدا انسان کے گناہوں کو اس قدر پوشیدہ

کر دے اور نا جی ایماندار کی آنکھ سے بھی گناہ چھپ جائے۔ اور اللہ کی رحمت کی فراوانی کے سامنے پچھلے گناہ و نافرمانی کی یاد اُسے نہ ستائے جو شرمندگی اور ندامت ہے اور الٰہی بخشش کی معیت میں ابرار کو زیادہ محسوس ہوتی ہے سچی اور پوری معافی کے لئے انگریزی میں محاورہ ہے کہ "معاف کر دینا اور بھلا دینا"۔ زبور میں ہے "میری جوانی کے گناہوں کو یاد مت کر میری خطاؤں کو (زبور ۲۵:۷) پس کامل مغفرت یہ ہے کہ گناہ اس طور سے نسیاً منسیاً ہو جائیں کہ انکو خدا غفار بھی بھلا دے اور بندۂ مغفور کو بھی یہ نعمت صرف عقبےٰ میں حاصل ہو سکتی ہے جب ایماندار گناہ کے بیرونی عذاب سے امن پا کر اُس کی روحانی تلخی کے عذاب سے بتدریج مخلصی پائینگے۔ اسطرح گناہ کی ایک مغفرت بہشت کے اندر بھی ہو سکتی ہے مگر اسکا علاقہ بھی انسان کی اُسی گنہگاری کے ساتھ ہوگا جو دنیا میں سرزد ہو چکی تھی :۔

مغفرت کیلئے گناہ لازم

(۵) اب سخن پروری میں مرزا صاحب فرماتے ہیں "اگر دنیا میں گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی استغفار جو انسان کی مخلوقیت کا تقاضا ہے ضرور برقرار رہتا" ہم کہتے ہیں کہ اگر استغفار مخلوقیت کا تقاضا ہو نہ کہ ارتکاب معاصی کا تو فرشتے مخلوق ہونے کی حیثیت سے سب سے پہلے ہم کو استغفار کرتے ملتے۔ مگر اس باب میں قرآن بالکل ساکت ہے۔ باوجودیکہ وہ فرشتوں کو بنی آدم کے سامنے لاتا ہے۔ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا (مومن ع ۱)۔ درآنحالیکہ وہ معافی مانگتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لائے ہیں پس ظاہر ہوا کہ کسی بشر کو بھی حاجت استغفار نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ مرتکب نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نہیں پڑھتے کہ آدم نے قبل لغزش اقرار گناہ یا طلب مغفرۃ کیا اور یہی وجہ ہے کہ آدم ثانی یعنی کلمۃ اللہ جو گناہوں سے پاک اور محض معصوم تھا استغفار و اقرار ذنوب کا محتاج نہیں ہوا :۔

مرزا جی کا دعا اور اُسکی تردید

مرزا جی نے فروری ۱۹۰۳ء کے ریویو میں بڑا زور مارا ہے کہ کوئی آیت قرآن سے اپنے معنی کی تائید میں لائیں چنانچہ وہ دو آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اہم فیہا من کل الثمرات و مغفرۃ من ربہم۔ ایمانداروں کو جنت میں سب طرح کے میوے اور

مغفرت ہے اُن کے رب سے (محمد ع) یقولون ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا کہینگے اے
رب ہمارے پوری کردے ہکو ہماری روشنی اور معاف کردے ہم کو (تحریم ع) مرزا کہتے ہیں "پھر
وہ لوگ جو بہشت میں داخل ہو چکے کیوں استغفار کرینگے اور کیوں خدائے تعالے بہشت کی
نعمتوں میں سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیساکہ مذکورہ بالا دو آئتوں سے ظاہر ہے۔
یہ قطعی دلیل اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنی گناہ کی سزا سے بچائے جانے یا گناہ سے
معافی کے نہیں ہیں" صریح پہلی آیت میں نہ استغفار کا ذکر ہے نہ استغفار ذنب کا جس پر بحث
ہو رہی ہے اس کی تفسیر دوسری آیت ہے سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔
دوڑو بخشش پر اپنے رب کی اور جنت پر (آل عمران ع) دونوں جگہ جنت اور مغفرت کو ایک بتلایا
یعنی بہشت وہ جگہ ہے جہاں پوری معافی گناہوں کی ہے۔ جہاں کسی پچھلے گناہ کا اندیشہ نہیں
اور جہاں بلا معافی گناہ کے دخل نہیں۔ مومن جب تک جیتا ہے اُسکا ایمان بیم و رجا کے درمیان
ہے۔ گناہوں کی معافی کا وہ خواستگار اور امیدوار ہے مگر جب تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوا
بیم بھی اُس کے ساتھ لگا ہے۔ پس مغفرت گناہ کے عذاب کا خوف دور ہو جانا اور امید کا برآنا
جنت ہی میں ہے۔ دوسری آیت اُن لوگوں کے متعلق نہیں ہے "جو بہشت میں داخل ہو چکے"
بلکہ اُن لوگوں کے متعلق جو یوم قیامت امید مغفرت میں رحمت الٰہی کے منتظر اٹھینگے جیسا اس
فقرے سے روشن ہوتا ہے۔ یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ۔ جس دن نہ
ذلیل کریگا اللہ نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے اُسکے ساتھ اور جیسا اس فقرے سے روشن ہے،
توبوا الی اللہ توبۃ النصوحا توبہ کرو اللہ کی طرف صاف دل سے۔ پس یہ آیت سرزد
شدہ گناہوں کی مغفرت کا ذکر کرتی ہے۔ مگر تم بھول گئے کہ اس آیت کو تم خود اُس حالت سے
متعلق بتا چکے جو "حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمے میں داخل ہونے سے پہلے ہے" ازالۂ اوہام
صفحہ ۹۶۵ تو اب یہ دونوں آیتیں تمہاری بحث سے خارج ہو کر ہمارے ہی دعوے کی موئید ٹھیریں۔
اور ذنب اور استغفار کے وہی معنی برقرار رہے جو ہم بیان اور ثابت کر چکے۔

سوم۔ آیت کی تفسیر نبوی۔

اب ہم زیادہ تحقیق کو کام میں لائینگے اور دریافت کرینگے کہ اللہ پاک کا جو یہ خطاب پیغمبر صاحب کو ہوا استغفر لذنبک۔ تو آپ نے خود ذنب و استغفار کا مفہوم کیا سمجھا؟ کتاب مشارق الانوار میں حضرت کے بعض استغفاریوں درج ہیں۔

اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری (۲۲۰۴)۔

الہٰی بخش دے میری خطا اور میری نادانی اور میری زیادتی جو مجھ سے اپنے حال میں ہوئی+

اللھم اغفرلی ھزلی وجدی وخطیئتی وعمدی (۲۲۰۴)۔

الہٰی بخش دے میری بیہودگی اور میری گناہ کی کوشش اور میری خطا اور میرے قصد کو+

اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ واولہ وآخرہ وعلانیتہ وسرہ (۲۲۰۵)۔

الہٰی بخش دے میرے گناہ سارے چھوٹے اور بڑے پہلے اور پچھلے کھلے اور چھپے +

ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعًا (۲۲۱۰)

جیسنے برا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہ کا پس بخش دے مجھ کو میرے سارے گناہ سے+

پس اگر تمن کلام اس نزاع کو فیصل کرے تو ہمارا آپ کا جھگڑا ہمیشہ کو چک گیا کیونکہ جب اپنے ذنب کا اقرار کیا گیا بلکہ اپنی خطا کا اپنی نادانی کا اپنی زیادتی کا اپنی بیہودگی کا اپنے گناہ کی کوشش کا اپنے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہوں کا اور اپنی جان کا برا کرنے کا تو لفظ ذنب کی کوئی دوسری کل بیٹھ ہی نہیں سکتی کوئی لاکھ سر پٹکے۔ آپ کس کس لفظ کے معنے بگاڑ ینگے؟ ایک ذنب پر تو کچھ منحصر نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آنحضرت نے خود ذنب کو ایک دوسرے لفظ جس کے مفہوم پر کوئی نزاع نہیں یعنی لفظ خطا کا مترادف بیان فرما کر آپ کو بالکل مایوس کر دیا ہے۔ اللھم طھرنی من الذنوب والخطایا (مسلم کتاب الصلوات) یا رخدایا پاک کر دے مجھ کو گناہوں (ذنوب) سے اور خطاؤں سے۔ پس اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو کہ "اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلعم کے منہ سے نکلی ثابت ہو تو اس کو بحیثیت یقینی طور پر صحیح اور

قابل اتباع مانا جائیگا" تو تم کو چارہ نہیں بجز اس کے کہ ہمارے قول پر صاد کرو +

چہارم۔ ذنب کے لغوی معنی اور سند۔

مرزاجی فرماتے ہیں "لفظ ذنب اس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے۔ گناہ کی عربی جرم ہے اور درمیان ذنب اور جرم کے ایک اہم فرق ہے" "لفظ ذنب کا اطلاق انسانی فطرت کی کمزوری پر بھی ہوتا ہے" "اگر ہم ذنب کو گناہ کا مترادف مان لیں تو یہ بات عربی کے علم لغت کے خلاف ہے"+

کچھ تعجب کی بات نہیں جو اتنی بڑی علمیت کا مدعی اپنے بالبداہت لغو قول کی تائید میں کسی سلف یا خلف کی سند پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نہ صرف سارے قرآن میں اور ساری احادیث میں بلکہ ساری عربی لٹریچر میں بھی مرزا کو کوئی مقام نہیں ملسکتا جہاں ذنب سوائے گناہ کے کسی دوسرے معنی میں آیا ہو۔ اب اس کا بار ثبوت مرزا کے کندھوں پر ہے کہ ذنب کا اطلاق "انسانی فطرت کی کمزوری پر بھی ہوتا ہے"+

ذنب بمعنی جرم ہم

(۱) ہم کہتے ہیں کہ ذنب کے نہایت سچے اور نہایت ٹھیک معنے سوائے گناہ کے کچھ نہیں ہیں اور اُس کے لئے لغت کی سند ہے +

الذنب الاثم۔ الاثم بالکسر الذنب والخمر والقمار وان تعمل مالا یحل۔ الجرم بالضم الذنب (قاموس) یعنی ذنب بمعنی اثم۔ اثم بمعنے ذنب و شراب و جوا و ہر فعل ناجائز۔ جرم بمعنے ذنب۔

"ذنب گناہ۔ جرم بالضم گناہ" (صراح)۔

"ذنب بالفتح گناہ و ہر کار کہ کردن آن ناروا باشد۔ جرم بالضم گناہ (منتہی الارب) یعنے اہل لغت تو یک زبان پکار رہے ہیں کہ ذنب و جرم و اثم مترادف و ہم معنی گناہ کے ہیں نہ اس سے کچھ زیادہ نہ کم +

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا کون سا قاعدہ ہوسکتا ہے جس سے ہم مرزا کو قائل کردیں کہ

اِس آیت میں ذنب بمعنی گناہ ہے۔ اُس نے لغت کا نام لیا ہم نے لغت کی سند دیدی اُس نے سیاق و سباق عبارت" کی شرط کی ہم نے اس کو پورا کردیا ص ۳۸۲۔ اب اگر وہ کہدے

تعلّی عَلِمتُ اربعین الفاً من اللغات العربیۃ مجھکو لغت عربی میں چالیس ہزار لفظ معلوم ہیں۔ میں ابوالحسن علی اور ابوعبداللہ جعفر و ابوعیسٰے ابراہیم اور اُنکے باپ محمد موسےٰ بن حسن بن فرات چاروں وزرائے عباسیہ سے بڑھکر ہوں" مکتوب عربی ص ۲۲۴-۲۲۵۔ میں عربیت کے دریا کا کوزہ۔ قاموس کی کیا حقیقت جو میرے سامنے امنڈ آئے" تو ہم کیونکر اس کی زبان پکڑ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مولوی حکیم نورالدین صاحب کی سند پکڑیں

سند حکیم نورالدین جن کو مرزا بھی الفاضل الاجل تسلیم کرتے ہیں اور لوگ بھی جنکو مرزاجی کا اُستاد سمجھتے ہیں دیکھو مکتوب عربی ص ۲۶۴)۔

پس واضح ہو کہ حکیم الامۃ فصل الخطاب حصّہ اوّل (ص ۲۱۹ و ۲۲۰) میں آیت وَاستغفِر لِذَنبِكَ وللمؤمنین میں ذنب کے معنی "یقینی طور پر بلحاظ عربی بول چال کے" گناہ ہی قبول کرتے ہیں اور ایسا گناہ کہ اُنکو کہنا پڑتا ہے کہ "صاحب قوم قوم کے گناہ سے گنہگار کہا جاتا ہے اور اسلئے "وللمؤمنین والواؤ عطف تفسیر کا ہے" پس حکیم صاحب سے فاضل اجل نے بلا تامل مان لیا کہ یہاں ذنب کے معنی اسی قسم کے گناہ کے ہیں جو امت سے سرزد ہوا کرتے ہیں:۔

اِسی مضمون کی دوسری آیت آنحضرت کے حق میں ہے لیغفر لك الله ما تقدّم من ذنبك وما تاخّر (فتح) اسکا ترجمہ بھی حکیم صاحب یہی کرتے ہیں "تا بخشے اللہ تیرے پہلے اور پچھلے گناہوں کو" یعنی حکیم الامۃ نے بھی معنے ذنب کے اِس آیت میں گناہ ارشاد فرمائے:۔

مرزا کی اختلاف بیانی ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ مرزاجی کی تقریر کا اصل تماشا یہ ہے کہ ایک طرف تو فرمادیا کہ "ذنب اِس آیت میں گناہ کا ہم معنی نہیں ہے" اور پھر اِس آیت میں اِس لفظ کا ترجمہ فقرۂ ثانی میں یہ کردیا "خطائیں جو سرزد ہو چکیں"۔ ممکن ہے کہ مرزاجی کے ذہن میں خطاؤں اور گناہوں میں بھی کوئی فرق ہو:۔

اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو مرزا جی کے سخن کی تکذیب ہم خود ان کے الہام ربانی کی سند سے کئے دیتے ہیں۔ اگر مان گئے تو بحث طے ہوئی ذنب کے معنے گناہ ہوئے عصمت انبیاء کا عقدہ حل ہو گیا۔ نہ مانے تو آپ کا الہام جھوٹا ہو گیا مسلمانوں کے سر سے ایک بلا ٹلی ؛

سُن لو اے ناظرین سورہ فتح میں جو آیت ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یہی آیت جناب مرزا جی صاحب کی شان میں بھی نازل ہوئی ہے لفظ بہ لفظ۔ اور اسکا اردو الہامی ترجمہ بھی آپ پر نازل ہوا اور وہ یہ ہے "ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح دی ہے تا تیرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کئے جائیں" (دیکھو رسائل اربعہ۔ اشتہار مباہلہ ص ۵۸)۔ اب تو مرزا جی کو معلوم ہو جائیگا کہ "کھلی کھلی فتح" کے معنی کیا ہیں ؛

یہ سنکر بھی ناظرین کو بڑی حیرت ہو گی کہ مرزا جی نے اپنے طول طویل مکتوب عربی میں الفاظ ذنب۔ مذنبین۔ یذنبون۔ بار بار بڑی تکرار سے استعمال کئے اور ہر جگہ ان کا فارسی الہامی ترجمہ گناہ و گناہگاراں و گناہ مے کنند کیا۔ کیا یہ سب دروغ گو را حافظہ نباشد کا نمونہ ہے ؟

مرزا جی نے ایک اور لطف کی بات کہہ ڈالی ہے "مجرم کا ذنب گناہ ہے اسی طرح آثم اور اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گنہ گار ہونا ثابت نہیں کرتا" ص ۸۲۔ یعنی ہر کسی کا ذنب تو گناہ ہے مگر مذنب کا ذنب گناہ نہیں۔ اسی کو لوگ کٹھ حجتی کہتے ہیں۔ مگر ہم اسکو بھی دفع کرینگے۔ مرزا جی نے ہندوؤں اور انکے ویدوں کی مذمت میں اپنے مکتوب عربی میں ارشاد فرمایا ہے بل یحبب ویدھم ان لا تنقطع ابداً سلسلۃ ذنب المذنبین اور اس کا فارسی الہامی ترجمہ یہ فرمایا "بلکہ وید ایشاں دوست میدارد کہ سلسلہ گناہِ گناہگاراں گاہے منقطع نگردد" ص ۱۲۳، ۱۲۴ تو محض مذنب ہونا بھی گنہگار ہونا ثابت ہو گیا۔

ع سعدی۔ از دستِ خویشتن فریاد

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے چالیس ہزار لغت عربیہ میں ذنب کا یہ نیا مفہوم اضافہ کر لیا ہے اور یہ غلطی آپ کے علم کی شدت و کثرت پر دال ہے ؛

پنجم آیا انبیا کے حق میں لفظ جُرم یا اسکا ہم معنی لفظ قرآن میں آیا ہے؟

مرزا فرماتے ہیں "یہی تو وجہ ہے کہ چونکہ خدا کے نبی انسانی فطرت میں شریک ہیں اور اس وجہ سے جسم کی کمزوری میں بھی۔ اِسلئے کلام اللہ میں لفظ ذنب انپر چسپاں کیا گیا" یہ بات اس امر سے بھی روشن ہے کہ لفظ جرم جو ٹھیک ہم معنی گناہ کا تھا خدا کے کسی نبی پر چسپاں نہیں کیا گیا۔ اگر کلام اللہ کا مقصود انبیا کو گنہگار بتلانے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں اُن کی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صحیح معنے گناہ تھے اجتناب کیا جاتا؟ باوجودیکہ وہی لفظ کوئی ایک سو مقاموں پر پاک کتاب نے مخالفین انبیا کے حق میں استعمال کیا ہے جنکو وہ گنہگار تصور کرتی ہے۔

لفظ جرم قرآن میں ندارد

مرزا جی کو بلا الہام و وحی کی مدد کے یہ بات معلوم ہونا چاہیے تھی کہ جُرم ایک ایسا لفظ ہے جو سو مرتبہ تو درکنار قرآن میں کسی ایک جگہ بھی وارد نہیں ہوا[ل] حالانکہ اگر بقول جناب "وہ ٹھیک ہم معنی گناہ کا ہوتا" تو قرآن میں سو کیا وہ ہزاروں جگہ آیا ہوتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بجز اسی ایک لفظ کے گناہ کا ہر ایک مرادف مثلاً خطا۔ اِثم۔ ظلم۔ ذنب۔ جناح۔ فسق۔ عصیاں۔ عدوان۔ سیئۃ وغیرہ قرآن میں بکثرت ملتا ہے۔ تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ گو تصور گناہ کا تو قرآن میں اِس درجہ عام ہے ولیکن اس کے اظہار کے لئے جو صرف ایک ہی ٹھیک لفظ زبانِ عرب میں موضوع

یہودی بھی مجرم نہیں

ہوا تھا اُسی کو ترک کر دیا۔ ہم آپ کو اور آپ کے تمام ہم خیالوں کو پھر بتلائے دیتے ہیں کہ لفظ جرم قرآن میں نہ کسی نبی کے حق میں آیا اور نہ غیر نبی کے حق میں۔ بلکہ آپ کا قول

ل مرزا جی کی خلیفہ کی تاویل

اہل انصاف دیکھیں کہ کیسے کھلے الفاظ میں مرزا نے اپنے انگریزی پرچہ ریویو نمبر ۵ صفحہ ۱۸۱ میں لکھ دیا ہے کہ "وہی لفظ (جرم) کوئی ایک سو مقاموں پر کتاب پاک نے مخالفین انبیاء کے حق میں استعمال کیا" اور جب ہم نے اس کو بتلا دیا کہ "وہی لفظ" قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں آیا تو اُسکا خلیفہ ہم پر گرم ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ گو حضرت اقدس نے کہا تو "وہی لفظ" تھا مگر جرم سے آپ کی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہیں جیسے مجرم۔ یجرمون۔ اجرموا۔ (سلسلہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۳۹)۔ اسکو چاہیے کہ اپنے پیر سے کہے کہ تم صحیح اردو لکھو اور محمد علی ایم اے سے کہے کہ انگریزی درست کرو۔ یا خود اپنے پیر کی تحریر پر اعتراض ہونے کے قبل حاشیہ شائع کر دیا کرے۔ یہ کیا تماشہ ہے کہ پیر جی کی غلطی و بدتمیزی کیلئے ہمکو ڈانٹا جاتا ہے؟

سنکر بڑی حیرت ہم کو یہ ہوتی ہے کہ یہ لفظ جرم یا اِس سے کوئی مشتق لفظ یہود کے حق میں بھی نہیں آیا جو پیغمبر اسلام کی دشمنی پر ہمیشہ تلے رہے اور جو اپنے گناہ وعصیاں کی سزا میں بقول قرآن سوئر اور بندر بنادئے گئے۔ پس اب ہم آپ ہی کے الفاظ میں پوچھتے ہیں کہ "اگر کلام اللہ کا مقصود یہودیوں کو گنہگار بتلانے کا ہوتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں انکی شان میں لفظ جرم کے استعمال سے جس کے صریح معنی گناہ تھے اجتناب کیا جاتا"۔ کیا یہود کو بھی قرآن نے معصوم مانا؟ کیونکہ نہ اُن سے جُرم منسوب ہُوا نہ وہ مجرمین کہلائے +

یہ لفظ آنحضرت پر چسپاں کیا گیا

لیکن اگر جرم سے تمہاری مراد یہی ہے جو تمہارا شاگرد بتا رہا ہے تو گو یہود اور دیگر انبیا کے حق میں ایسا کوئی لفظ قرآن میں نہیں وارد ہوا تاہم آنحضرت کے حق میں ضرور آیا ہے۔ سورہ سبا ع میں ہے قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْن تو کہہ تم سے نہ پوچھ ہوگی جو ہم نے جُرم (گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھ ہوگی جو تم کرتے ہو۔ لو یہ حجت بھی تمام ہوگئی۔ مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو جھٹلائینگے اور شاگرد استاد کو اور پھر کہا جائیگا کہ اِس آیت میں اجرمنا ہے اور ہم نے تو وہی لفظ جرم مانگا تو انکو یاد رہے کہ "جرم اپنی مصدری صورت میں" قرآن میں ایک جگہ بھی نہیں آیا +

ششم۔ جُرم اور ذنب ایک ہی ہے۔ مرزا کہتے ہیں "لفظ ذنب اگر انبیا کی شان میں کلام مقدس میں کبھی وارد ہوا تو اُس کے معنی وہاں گناہ نہیں بلکہ صرف انسان کی فطرتی کمزوری ہے"۔ قرآن مجرم کو یعنی ایسے شخص کو جو جرم یا گناہ کا مرتکب ہو عقاب دوزخ سے ڈراتا ہے مگر وہ اس قسم کی سزا کا مذکور مذنب یعنی ایسے شخص کے حق میں کسی جا نہیں کرتا جس سے ذنب یعنی انسانی کمزوری منسوب کیجائے:

لہ مرزا کا خلیفہ کہتا ہے کہ آیت وعلی الذین ہادوا حرمنا کل ذی ظفر الخ (انعام ع ا) میں یہودیوں

مرزا کے خلیفہ کی غلطی

کا ذکر ہے جن کی نسبت لفظ مجرمین آیا (صہ ۲۴۶) اُسکو چاہیے کہ حکیم نور الدین سے آیت دوبارہ پڑھ کر معلوم کرے کہ قوم المجرمین سے مشرکین عرب مراد ہیں گو آیت میں ذکر تو یہود کا ہے مگر مخاطب مشرکین ہیں اور ہیں اُسکے بعد ہی لکھا ہے سیقول الذین اشرکوا اب مشرکین اسکا جواب یہ دینگے:

مجرم بمعنی مذنب

(۱) اب اس کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ ذنب ایک اور لفظ ہے کہ وہ بھی کبھی قرآن میں نہیں آیا۔ قرآن نے در اصل مجرم ہی کو مذنب مانا ہے۔ قرآن میں مجرم کی تعریف یہی ہے یعنی ایسا شخص جس سے ذنب سرزد ہوا اور یوں قرآن ذنب کو مجرم کی ذات سے وابستہ کرکے مستوجب عقاب نار ٹھہراتا ہے۔ ساکنان جہنم چلا رہے ہیں اعترفنا بذنوبنا (مومن ع ملک ۱) ہم اپنے ذنوب (گناہوں) کا اقرار کرتے ہیں۔ اور شاید آپ ہی کو متنبہ کرتے ہیں کہ محض اپنے ذنب کی خاطر وہ دوزخ میں در آئے۔ اور سنئے فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان (رحمن ع) پھر اس دن پوچھے نہیں اس کے گناہ (ذنب) کی کسی آدمی سے نہ جن سے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ذنب کو کوئی خاص تعلق "انسان کی فطرت" کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ اسکا اطلاق جیسا انسان کی بدکاری پر ہوتا ہے ویسا ہی جنات کی بدکاری پر بھی:۔

لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون (قصص ع) پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے انکے گناہ۔ محض ذنب نے ان لوگوں کو مجرم کردیا۔ قرآن ان مجرموں کے جرم سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ وہ ان میں صرف ذنب پاتا ہے اور اس وجہ سے بلا جواب لئے ان پر فتوے سزا کا صادر ہوتا ہے پس اب ثابت ہوگیا کہ قرآن کا مجرم مذنب ہے اور قرآن کا ذنب جرم۔ گو لفظاً قرآن میں نہ جرم کا لفظ آیا نہ ذنب کا:۔

ظلم بمعنی جرم

(۲) اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ظلم ایک اور لفظ ہے جس کا استعمال قرآن میں جرم کے اس مفہوم میں زیادہ تر آیا ہے جس پر مرزا جی اصرار کر رہے ہیں:۔

ومن یظلم منکم نذقہ عذابا کبیرا (فرقان ع) اور جو کوئی تم میں برا (ظلم) کرے ہم اسکو چکھائینگے بڑا عذاب۔ اعتدنا للظالمین نارا۔ (کہف ع۔ فرقان ع۔ دہر ع شوریٰ ع ۲ و ۵۔ صافات ع مومن ع) تیار کی ہے ہم نے برا کرنے والوں (ظالموں) کے واسطے آگ +

ان الذین توفھم الملئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیما کنتم۔ فاولئک ماوٰھم جہنم (نساء ع) جن لوگوں کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں

تم کس بات میں تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سوالیوں کا ٹھکانا ہے دوزخ؟

ظالم اور مجرم بہمہ وجوہ ایک ہی ہیں حتٰے کہ ایک لفظ دوسرے کا بدل ہے۔ فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین (اعراف ع) فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین (قصص ع)؟

ظلم انبیا سے منسوب — تمام قرآن خوانوں کو معلوم ہو گا کہ یہ لفظ ظلم جو جرم کا بدل ہے انبیا کے حق میں ضرور آتا ہے۔ حضرت آدم فرماتے ہیں ربنا ظلمنا انفسنا اے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ اعراف ع۔ حضرت موسٰی اقرار کرتے ہیں انی ظلمت نفسی فاغفرلی (قصص ع) میں نے ظلم کیا اپنی جان پر۔ سو مجھ کو بخش دے۔ حضرت یونس اقرار کرتے ہیں انی کنت من الظالمین۔ (انبیاع) البتہ میں تو برا کرنے والوں (ظالموں) میں سے تھا[1]+

اور اسی طرح آنحضرت خود فرماتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا ظلمت نفسی واعترفت بذنبی میں نے برا کیا اپنی جان کا اور اقرار کیا اپنے گناہ کا+

عصیان بمعنی جرم انبیا سے منسوب — (۳) پھر ایک اور لفظ ہے عصیان یہ بھی مثل جرم کے مستوجب عذاب نار ہے۔ من یعص اللہ ورسولہ انہ لہ نار جہنم۔ جس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی سو

---

[1] اس آیت کا ترجمہ شاہ عبد القادر صاحب نے یہ فرمایا ہے "میں تھا گنہگاروں سے" مگر مرزا جی نہایت بیباکی سے اس کے

یونس کا ظلم اور مرزا کی اختلاف بیانی — معنی یہ کرتے ہیں "میں کمزور اور مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں" آپ مانتے ہیں کہ "اس دعا میں حضرت یونس کے متعلق جو لفظ ہے "وہ ظالم کا لفظ ہے" مگر مرزا جی کہتے ہیں ہم لفظ ظالم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں یعنی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا" ریویو نمبر ۶ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲ وہ ۴۔ کیا خوب! ظالم کے معنی مظلوم ہوئے اور ظالمین کے معنی وہ تمام لوگ جو مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں پھر قوم لوط سے زیادہ اس معنی میں کون ظالم تھا؟ جن کی بستی تہ وبالا کر دی گئی۔ اسی طرف اشارہ ہو گا ان اھلھا کانوا ظالمین اور ان سے زیادہ کون ظالم تھا؟ جو طوفان میں غرق ہو رہے تھے۔ تو اسی معنی میں کہا ہے فاخذھم الطوفان وھم ظالمون (عنکبوت ع ۲)۔ قرآن کریم کے اوپر یہ عنایت مرزا جی کی خاص ہے۔ آج تک یہ نکتہ کسی کو نہیں سوجھا تھا۔ آپ سے زیادہ کون قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہو سکتا ہے سب سے بڑھ کر تو آپ ہی من الظالمین ہوئے۔ کیوں صاحب کیا یہی وہ سبق تھا

اُس کے لیئے دوزخ کی آگ ہے۔ حضرت آدم کے لیئے یہی لفظ بولا گیا فعصٰی آدم ربہٗ آدم نے
اپنے رب کی نافرمانی کی۔ پس جب انبیا کی شان میں ظلم اور عصیان سے لفظ وارد ہو چکے جو اپنے
نتایج میں جُرم کے مساوی ہیں تو پھر یہ کیا لچر حجت ہے کہ جرم کا لفظ ان کے لیئے نہیں آیا مگر اب تو ہم
لفظ اجرمنا بھی نبی کو بولتے ہوئے قرآن سے دکھلا چکے اور ہر حیلے کی جڑ کٹ گئی +

ھفتم۔ سزا اور گناہ۔ مرزا کہتے ہیں " امور تنقیح طلب یہ ہے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی تفریق جرم
اور ذنب میں کی ہے؟ کیا قرآن مجید نے مذنب کیلئے وہی سزا مقرر کی ہے جو اُس نے مجرم کے لیئے
مقرر کی ہے" صفحہ ۳۰ اسکا جواب آپ نے یہ دیا " قرآن کریم نے ہر ایک ذنب کے لیئے سزا کا وعدہ
نہیں دیا" "جُرم کے مرتکب کے لیئے ضرور سزا ہے" صفحہ ۱۴ اصل بحث تو طے ہو چکی کہ ذنب گناہ ضرور
ہے اب یہ بحث کہ ذنب سزا کے حکم میں جُرم کے برابر ہے یا نہیں بالکل فضول ہے +

بقیہ فٹ نوٹ۔ جو آپ نے ہم کو پڑھایا "اِس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے
فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور
کیجائے" ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۵۶۔ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت ::

حضرت یونس کی حمایت میں مرزا جی ایسے بہکے کہ خدا کی پناہ۔ یہاں حضرت یونس کی عصمت زیر بحث نہیں اسلیئے ہم صرف
اشارۃً ذکر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں " حضرت یونس کے متعلق پادری مانزد نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ جھوٹ بیان
کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اُسکے
اس جھوٹ کی تائید نہیں کرتا۔ قرآن شریف میں جو یہ لکھا ہے اذ ذھب مغاضبًا یونس جب چلا گیا غصہ سے لڑ
کر۔ اس پر مرزا صاحب فرماتے ہیں " قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ یہ انکا غصہ کس کے متعلق تھا لیکن اتنی بات
ظاہر ہے کہ یہ غضب انکا خدا تعالےٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا" "ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب
میں تھا اگر بے ایمانی نہیں تو بے وقوفی ضرور ہے" صفحہ ۲۷۲ اسطرح مانزد صاحب کو ہمارے مرزا جی نے جھوٹا۔
بے ایمان اور بے وقوف کہدیا۔ اب ناظرین یہ سنکر دانتوں میں انگلی دبائیں گے کہ ہر لفظ جو مانزد صاحب نے

بے ایمان یا بیوقوف | محض تحقیق کی بنیاد پر اپنے قلم سے نکالا تھا وہ مرزا صاحب الہام کے زور میں اپنے

مگر قرآن سے ثابت ہے کہ ذنب گناہ ہے اور اسپر سزا کا وعید ضرور ہے ورنہ ایماندار کیوں کہتے فاغفر لنا ذنوبنا وقنا عذاب النار۔ اے خدا بخش دے ہمکو ذنوب ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے (آل عمران ع ۲) اسی سے ثابت ہے کہ ذنب کی سزا جہنم ہے اور اس کی معافی جہنم سے رہائی اور دیکھو (انعام ع ۲ و مومن ع ۱)+

(بقیہ) جنسے آپ فرما چکے ہیں۔ اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس قسم کے الہامات اگر بے ایمانی نہیں تو بیوقوفی ضرور ہے بلکہ دونوں ہیں۔ ہم یہاں مرزا جی کے الہامی مکتوب عربی کی نقل معہ اردو ترجمہ کے درج کرتے ہیں:

ذھب یونس مغاضباً من حضرت الکبریاء وتاہ فی فلوات
چلا گیا یونس غضبناک ہوکر درگاہ خداوند تعالے سے اور آوارہ ہوگیا بیابانوں میں

الابتلاء لما فر کالغاضبان لما تاہ کالمبہوتین
امتحانوں کے کیوں بھاگا غضبناکوں کی طرح اور کیوں آوارہ ہوا آشفتہ سروں کی طرح

ولما ترک یونس بسوء فہمہ الاستقامۃ والاستقلال
اور کیوں ترک کیا یونس نے اپنی بدفہمی سے استقامت و استقلال کو

وری کل ذلک بما اعلن ضجر قلبہ بالحرکت
اور دیکھنا پڑا یہ سب یونس کو کیونکہ اس نے ظاہر کردی اپنی دل تنگی چھوڑنے سے

من المقام و فارق مقرہ من غیر اذن اللہ
اپنی جگہ اور جدا ہوا یونس اپنے مقام سے بغیر اجازت خدائے

العلام وفعل فعل المستعجلین و کذالک
علیم کے اور اسنے کی یہ حرکت جلد بازوں کی اور اسی لئے

سماہ اللہ ذالنون بما ظہر منہ حدۃ و لون
اسکا نام رکھا خدا نے ذوالنون کیونکہ ظاہر ہوئی اس سے گرمی اور تیزی

بالغضب المکنون ولا یلیق لاحد ان یغضب علی رب العالمین
دل میں غصے کو پوشیدہ کرنے سے اور زیبا نہیں کسی کو کہ غضبناک ہو جہان کے رب پر

اب مرزاجی کی بحث کے قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس پہلو کو اختیار کر لیا ہے کہ انبیا مذنب یعنی گنہگار تو ضرور ہیں لیکن خدا نے انکو معاف کر کے جہنم کی سزا سے بری کر دیا مگر اس سے تو عصمت انبیاء نہیں ثابت ہوتی۔ گناہ کی سزا سے بچنا دوسری بات ہے اور گناہ سے بچنا دوسری بات۔ اسلام کے خیال کے موافق تمام بدری صحابہ کو مغفرت کی بشارت ہو چکی (جیسا ہم اوپر لکھ چکے) اور تم تو یونی ٹیرین کرسچین عیسائیوں سے یہ سبق بھی پڑھ چکے کہ دوزخ کا عذاب ابدی نہیں۔ انجام کار سب نیک ہو کر بہشت میں داخل ہو جائینگے۔ دوزخ بھی خدا کی رحمت کا ظہور ہے جو انسان کو پاک کرتی ہے جیسا آگ سونے کو۔ "دوزخ میں ایک مدت گذر جانے کے بعد ہر بدبخت نیکبخت ہو جائیگا" (مکتوب عربی ص ۱۱۷ تا ص ۱۲۱) تو پھر اب ذنب میں اور جرم میں کیا فرق رہا؟ نہ سزائیں نہ گناہ ہونے میں اور نہ قابل عفو ہونے میں:

ھشتم۔ مشکل کشائی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے قرآن کی مشکلات حل کرنے کے مرزاجی نئی نئی مشکلیں پیدا کر رکھتے ہیں۔ اور ایسی ایک مشکل میں آپ پڑے ہوئے ہیں جس سے آپ کو باہر نکالنے کا ثواب ہم کو ملیگا۔ آپ فرماتے ہیں "اگر ہم ذنب کو مترادف گناہ کا مان لیں تو ہم کو ایک اور مشکل کا سامنا پڑتا ہے۔ سورہ آل عمران میں یہ آیت وارد ہوئی ہے جب اللہ نے نبیوں کے ساتھ عہد باندھا

میثاق النبیین اور غلط ترجمہ | یہ فرما کر جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس

(بقیہ فٹ نوٹ) ولاجل ذلك ابتلٰی یونس وصار من الملومین

اور اسی وجہ سے مبتلا ہوا یونس امتحان میں اور ہو گیا مورد ملامت

ونزلت علیہ الھموم (ص ۲۲۵-۲۲۶)۔

اور نازل ہوئیں اُسپر مصیبتیں۔

مرزاجی نے اپنے مکتوب عربی کا فارسی الہامی ترجمہ بھی کیا ہے۔ اسی کی زبان بندی کے ساتھ ہم نے اردو ترجمہ کیا۔ دروغ گو را حافظہ نباشد زبانی دروغ کے متعلق تھا مگر دستاویزی دروغ اور الہامی دروغ۔ یہ مرزاجی کا اعجاز ہے

ایک نبی آوے تصدیق کرتا ہوا اُس کی جو تمہارے پاس موجود ہے تو تم ضرور اُس پر ایمان لانا اور تم ضرور اس کی مدد کرنا۔۔۔۔ اِس سے روشن ہے کہ تمام انبیاء کو مع عیسٰے مسیح کے حکم ہوا کہ مقدس نبی محمد پر ایمان لائیں۔ اگر اس آیت کو اُسکے ساتھ ملا کر پڑھیں جو اوپر مذکور ہوچکی اور ذنب کو معنی گناہ یا جُرم لیں تو ہم کو عیسٰے کو بھی گنہگاروں کی فہرست میں داخل کر دینا پڑیگا۔ اور آپ تاکید سے فرماتے ہیں کہ یہ معنی "اِس آیت سے بنصّ صریح ثابت ہیں" ص ۱۹۱ چونکہ اس معنی پر آیت کو آپ نے "نص صریح" فرمایا اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ مرزا جی کی یہ دلیل ضرور انکو الہام ہی سے ملی ایسے وقت میں کہ جب آپ کے معمولی قوائے ذہنی معطّل ہو چکے تھے ورنہ یہ اس درجہ لچر نہوتی +

(۱) اپنی بحث کی خاطر آپ آیت کا ترجمہ غلط کرتے ہیں اور پھر مروڑ مروڑ کے اس سے ایک ایسے معنی نچوڑتے ہیں جو مصنف کے کبھی وہم میں بھی نہیں آئے تھے۔ آیت یہ ہے اذ اخذ اللّٰہ میثاق النّبیّین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃٍ ثمّ جاءکم رسول مصدّق لما معکم لتؤمننّ بہ ولتنصرنّہ (آل عمران ع ۹) لفظی ترجمہ اسکا یہ ہوگا۔ جب لیا اللہ نے عہد انبیاؑ سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور حکمت سے بعد ازاں آوے تم پاس کوئی نبی تصدیق کرتا اسکی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اُسپر ایمان لانا اور ضرور اُس کی مدد کرنا۔"

صحیح ترجمہ

اس آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے ہم ایک دوسری آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں جسکے معنی میں کوئی تنازع نہیں :۔

لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل وارسلنا الیھم رُسلاً کلّما جاءھم رسولٌ بما لا تھوٰی انفسھم فریقاً کذّبوا وفریقاً یقتلون۔ (مائدہ ع ۱۰) البتہ لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجا اُنکی طرف رسول کو پھر جب آیا اُنکے پاس کوئی رسول جو نہ بھایا اُن کے جی کو تو کتنوں کو انہوں نے جھٹلایا اور کتنوں کو قتل کر ڈالا +

اب چونکہ اس امر میں اتفاق ہے کہ اللہ نے اپنے رسول رسولوں کے پاس نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے پاس بھیجے اِس لئے خطاب اُنہیں سے ہو سکتا ہے لہذا آیت زیر بحث کا ترجمہ یہ

ہونا چاہیئے - جب لیا اللہ نے عہد انبیاء (کے باب میں) بنی اسرائیل سے الی آخرہ" اِس ترجمہ کی صحت پر ہمارے پاس دو مسلم الثبوت شاہد ہیں - ایک تو حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب سے حفاظ قرآن کی قرأت جس کے موافق متن آیت یہ ہے - اذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتوا الکتاب - جب لیا اللہ نے عہد اہل کتاب سے اور مجاہد نے صاف صاف کہدیا کہ یہی خطاء من الکتاب یعنی میثاق النبیین کاتب کی غلطی ہے دیکھو درّ منثور سیوطی - دوسرا شاہد شاہ عبد القادر صاحب دہلوی ہیں جن سے زیادہ معتبر مسند ہندوستان میں نہیں ملسکتی اس آیت کے فائدہ میں فرما چکے " اللہ نے اقرار لیا نبیوں کا یعنی نبیوں کے مقدمے میں بنی اسرائیل کا اقرار لیا " پس اگر یہی آیت آپ کی دستاویز ہے تو اسکے بموجب بجائے تمام انبیاء کے بنی اسرائیل کو حکم ہؤا ہوگا کہ آنحضرت پر ایمان لائیں -

دو شاہد

تنزیہ القرآن صفحہ ۳۲۲

(۲) یہ عہد " نبیوں کے ساتھ " ہو بھی نہیں سکتا تھا بلکہ صرف غیر لوگوں کے ساتھ انبیا کے بارے میں عموماً نہ کہ آنحضرت کے خصوصاً - کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آنحضرت تشریف لائے تو صفحہ زمین پر کسی نبی کا وجود بھی نہ تھا جو آپ پر ایمان لاکر یا آپ کی مدد کر کے ایفاء عہد کے قابل ہوسکتا - بنی اسرائیل کی وہ نسل جس میں انبیاء کو آنا تھا اور جسکو انبیاء پر ایمان لانا فرض تھا برابر سلسلہ وار باقی رہی اور انبیاء کی تصدیق یا تکذیب کرتی رہی مگر انبیاء کا سلسلہ تو اس

عقلی ثبوت

نا بالغ مرزائی

[1] مرزائی " درّ نابالغ " چیلہ اپنے پیر کی حمایت میں ہم پر اعتراض کرکے لکھتا ہے کہ ہمارا ترجمہ " عجیب ترجمہ بلکہ بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ ہے جس میں ہم نے " بنی اسرائیل " کا لفظ اپنی طرف سے ملا دیا " ریویو صفحہ ۲۲۷-۳۲۷ اسکا تعجب ہمارے ترجمہ پر نہیں ہے بلکہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ پر جو اُسکے پیر سے زیادہ محاورہ کے نقاد تھے اور اسکو معلوم ہوجانا چاہیئے کہ " بنی اسرائیل کا لفظ " ملانے والے ہم نہیں بلکہ حضرت ابن مسعود اور ابی ابن کعب ہیں - اور ان لوگوں کی شان کیا ہے - اسکو مولوی نور الدین سے پوچھ لینا چاہیے کہ اس سے اسکا تعجب اور بڑھ جاویگا - کیا اچھا ہوتا اگر مرزا کے مرید اپنے پیر کو ہمارے مقابلہ میں اکیلا چھوڑ دیتے اور خود اُس اپنی حمایت کرنے دیتے اور نہ ایسے جلد گھبرا جاتے :-

طرح نہیں رہا کہ ہر نبی کے وقت دوسرا نبی بھی موجود رہتا۔ اور نبی کا کوئی غیر نبی قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ پس زمانہ فترت میں جب کوئی نبی موجود نہ تھا تو بنی اسرائیل کو "اپنے انبیا کا قایم مقام" قرار دینا بڑی نادانی ہے جسکا مرتکب مرزا کا فدائی ہوا ص ۲ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ آنحضرت کچھ نرالے نہ تھے جنہوں نے کتب سابقہ کی تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح تو چھ سو برس قبل آپ سے بنی اسرائیل کے روبرو انکی تورات کی جو پہلے سے موجود تھی تصدیق فرما چکے تھے مصدقا لما بین یدیّ من التوراۃ (آل عمران ع۵)۔ اگر مرزا صاحب اپنے وحی والہام سے قطع نظر کرکے صرف اپنے ہوش سے کام لیتے تو یہ سمجھ جانا کچھ مشکل نہ ہوتا کہ انبیا کی شان اللہ کے نزدیک اس سے بہت بلند ہے کہ اُن سے ایک ضروری فرض کی بابت ایفائے عہد پر قسم لی جائے۔ علے الخصوص ایسی حالت میں کہ اُن میں سے کوئی نبی آنحضرت کا ہم عصر ہونے والا نہ تھا۔ بہر حال مسیح محمدی ایمانداروں کے زمرے سے باہر نکل آئے اور بطور لازمی "گنہگاروں کی فہرست" سے بھی۔ ورنہ مرزا نے تو ایمان کی بڑی شامت کر دی تھی کہ پیغمبر اسلام پر حضرت مسیح کا ذرہ سا مفروضہ ایمان انکو ایسی منطقی شکل میں "گنہگار" بنائے ڈالتا تھا۔ فی تقصیرے تو آپ امام ہوگئے ؛

مسیح اس آیت کے مفہوم سے خارج

(۳) مجھکو اس امر پر تاکید کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آیت متنازعہ میں المؤمنین والمؤمنات میں صرف وہی لوگ داخل ہیں جو دین محمدی کے قائل ہیں خصوصاً حضرت کے اپنے اُمتی نہ کہ مومنین شرائع سابقہ۔

مگر ہم مرزا صاحب سے ضرور پوچھینگے کہ بتائیے آپ کی تاویل سے مشکل دفع کیونکر ہوگی؟ نتیجہ تو یوں ہے کہ آپ کی مشکلوں میں نقب لگ گیا۔ اگر فرض کریں کہ مسیح معہ دیگر انبیا آنحضرت کے مومنین کی فہرست میں ضرور داخل ہیں تو پھر جناب کا یہ الہامی ترجمہ "بطور شفاعت کے ان مرد اور عورتوں کے لئے بھی دعا کر جو تجھ پر ایمان لاتے ہیں تا کہ وے ان خطاؤں کی سزا سے بچائے جاویں جو ان سے سرزد ہو چکیں بوجہ انکی فطرت کی کمزوری کے اور کہ

ان کی زندگی کا سلسلہ مابعد گناہ سے پاک رہے"۔ یہ ترجمہ تو بڑا ہی غرق کئے ڈالتا ہے۔ "اور عصمت انبیاءؑ کے لئے امکان ہی باقی نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ اس ترجمے کے موافق آنحضرت کو اپنے ایمانداروں کے واقعی گناہوں کے لئے استغفار مانگنے کا حکم ہوتا ہے :۔

آپ کے اس الہامی ترجمہ نے ایک اور بڑا خطرہ پیدا کر دیا کہ جب انبیاء آنحضرت کے مومنین قرار پائے تو پھر استغفار کا مطلب اُن لوگوں کی شان میں کیا ہوگا جنکو من المقربین فرمایا۔ کیا اُنکو بھی اللہ پاک کی حضوری میں "جسم کی کمزوری" اب تک ستا رہی ہے اور آزمائش میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ باقی ہے؟ اور کیا اب بھی انکو "اپنی زندگی کا سلسلہ مابعد گناہ سے پاک" گزارہ گیا؟ کوئی کلام نہیں کہ اس تازہ الہام نے مرزا صاحب کی تاویل الاحادیث کی مٹی پلید کر ڈالی۔ آپ کو پھر سے اپنے منطق کی مرمت کرنا پڑی اپنے ترجمہ کی اور نیز اپنے ایمان کی :۔

ہفتم۔ مسیح کی خصوصیت۔

مرزا جی نے اس آیت کے معنی لگاڑنے میں جو ایسی حیرت افزا اور بے اندازہ جانفشانی صرف کی تو اُس سے آپکا مقصود کیا تھا؟

ہمارے سوال ہم نے یہ سوال کئے تھے کہ کیوں مسیح سے قرآن میں ذنب کا لفظ منسوب نہیں ہوا جسطرح دیگر انبیاء سے منسوب ہوا اور کیوں مسیح نے استغفار نہیں کیا جسطرح اور نبیوں نے کیا؟

ہمارے پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے پیر قادیان نے قرآن کی ورق گردانی کی اور آیت شریفہ کی گت بنائی اور سوائے ندامت کے کچھ حاصل نہ کیا :۔

ہمارے دوسرے سوال کا جواب دینے کیلئے اُس نے ایک خلیفہ صفحہ سارا قرآن چھانا اور اس امر کے ثبوت میں کہ مسیح نے استغفار کیا وہ آیتیں پیش کیں جو ملائکہ کے حق میں آئی ہیں :۔

مرزا کے خلیفہ کی پریشانی

یستغفرون لمن فی الارض (شوریٰ ع)

گناہ بخشواتے ہیں واسطے اُنکے جو بیچ زمین کے ہیں"

لیستغفرون للذین آمنوا (مومن ع۱)
گناہ بخشواتے ہیں واسطے انکے جو ایمان لائے

آپ بڑے فخر سے فرماتے ہیں "مسیح بھی اہل زمین میں شامل ہیں مومنوں میں شامل ہیں اسلئے فرشتے انکے لئے بھی استغفار کرتے ہیں" جلد ۲ صفحہ ۲۴۹۔
ہم کہینگے کہ اگر فرشتے مسیح کے لئے استغفار کرتے ہیں تو یہ فرشتوں کی خطا ہے۔ مسیح اپنے لئے آپ کیوں استغفار نہیں کرتے؟ کیوں اپنے تئیں اُنہوں نے استغفار سے مستغنی سمجھا؟ اگر تمہارا قول حق ہے تو فرشتے تو سبھی انبیا کے لئے استغفار کرتے ہیں پھر کیوں اور انبیا نے استغفار کرنا ضروری سمجھا اور کیوں مسیح نے فضول سمجھا؟ اس کا جواب تمہارے پاس یا تمہارے پیر کے پاس کیا ہے؟
الثا منطق ابھی اپنے منطق کے نتائج دیکھ لو۔ کیا تم فرشتوں کو "مومنوں میں شامل" نہیں کرتے اور کیا حضرت جبرئیل دحیہ کلبی کی صورت میں مَن فی الارض "اہل زمین میں شامل" نہیں ہو چکے ہیں؟ اور کیا کراماً کاتبین زمین پر اہل زمین کے پاس لدیہم یکتبون (زخرف ع۷) اُنکے دہنے اور بائیں بیٹھے ہوئے وعن الیمین وعن الشمال قعید (ق ع۲) اعمال نہیں لکھا کرتے۔ تو کیا ان آیتوں کا یہ مطلب ہوا کہ فرشتے فرشتوں کے لئے بھی استغفار طلب کرتے ہیں یعنی "جسمانی کمزوریوں کے غلبہ" سے حفاظت کے خواستگار رہیں تاکہ وہ وحی غلط نہ دے جاویں اور اعمال غلط نہ لکھ لیں اور فرشتوں کو بھی "جسمانی کمزوری" لاحق ہو گئی؟ قادیاں والے بھی عجیب وغریب نکتے قرآن شریف کے حل کرتے ہیں؛
اس قسم کے جواب دینے سے تو سکوت بہتر تھا۔ سب قرآن خوان جانتے ہیں کہ ان آیتوں میں مراد صرف وہی ایماندار گنہگار ہیں جنکی بہتری آسمان کے سب ملائکہ بھی چاہتے ہیں اور ان سے وہ لوگ یقینی مستثنے ہیں جن سے گناہ نہیں سرزد ہوا۔ عمومات اور مستثنیات کا قاعدہ بچوں کو بھی معلوم ہے؛

ہماری حجت اِن عمومات سے بحث کرکے ہمارے مخالفوں کو کچھ نہیں حاصل ہو سکتا۔ اگر کوئی قرآن سے یہ آیت پیش کرکے (اِنّ الانسان لکفورٌ مبین) زخرف ع ۲) بالتحقیق انسان صریح کفر کرنے والا ہے۔ یا یہ حدیث قدسی پیش کرکے یا عبادی اِنکم تخطئون باللیل والنّہار۔ (مشارق الانوار نمبر ۲۱۷۸) اے میرے بندو تم رات دن خطا کرتے ہو یہ کہنے لگے کہ یہ نص انبیاء کو کافر ثابت کرتی ہے اور حدیث تمام انبیاء اور ملائکہ کو خطا کار ثابت کرتی ہے۔ اور پوچھے کہ کیا انبیاءؑ الانسان کے عموم میں داخل نہیں اور کیا ملائکہ خدا کے عباد بندے نہیں۔ تو سارا قادیاں اُمنڈ آئیگا اور کہیگا کہ کہنے والا یا بے ایمان ہے یا بیوقوف یا دونوں۔ مگر اسی قسم کی مہمل تقریر یہ "دنیا کے مذاہب پر نظر" کرنے والے ہم سے کرتے ہیں:

امر قابل غور آخر میں ہم اپنے ناظرین کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مسئلہ عصمت مسیح جو قرآن و حدیث کی بنیاد پر قائم کیا گیا لفظ استغفار یا ذنب کی کسی تاویل پر منحصر نہیں۔ اگر ہم بحث کی خاطر وہ سب بھی مان لیں جسپر مرزا صاحب اڑے ہوئے ہیں تب بھی ایک ذرہ بھر ہمارے دعوے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ہم اُس وقت اُسکو اِن الفاظ میں پیش کرینگے کہ بجز ایک مسیح کلمۃ اللہ کے جو انسانی فطرت کی کمزوریوں کے بدنتائج سے کلیۃً بری رہا اسلام کے تمام اولوالعزم پیغمبر بمعہ آنحضرت کے تمام بنی آدم کے ہمزبان ہو کر استغفار کرتے اور اپنے ذنوب کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ سب کے سب مذنب ہیں مسیح اکیلا پیغمبر ہے جو مذنب نہیں۔ اور شافع المذنبین کے لئے یہی فضیلت لازمی ہے ÷

دہم ۔ مرزا کو ہماری تحدّی۔

ہم افسوس کرتے ہیں۔ کہ ذنب کی بحث نے ہمارا اس قدر وقت ضائع کیا۔ اس سے صرف مرزا جی کی نادانی لوگوں پر روشن ہو گئی۔ اس سے کوئی عام فائدہ نہیں کیونکہ اہل اسلام میں سے کبھی کسی نے ایسی حماقت کی ہی نہیں کہ ذنب کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلائے ہوں مگر یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مرزا جی نے بار بار اپنی کتابوں میں حضرت مسیح

کی حقیقی موت کے ثبوت میں قرآن سے لفظ توفی کی سند پکڑی ہے اور کہا کرتے ہیں کہ "اس لفظ کو خدائے تعالے نے پچیس مرتبہ اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان کرکے صاف طور پر کھول دیا ہے کہ اسکے معنی روح کا قبض کرنا ہے نہ کچھ اور" آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۳۔ اور اس بات پر وہ اڑے ہوئے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کا اطلاق صرف موت ہی پر ہوتا ہے حالانکہ معتبر اہل لغت اس لفظ کے ایک معنی تمام ترگرفتن بھی بیان کرتے آئے ہیں گو قرآن میں انی متوفیک اور فلما توفیتنی میں توفی کے معنی موت ہی ہیں:۔

ذنب کی بحث کا بجنسہ وہی حال ہے۔ توفی کا لفظ قرآن میں پچیس دفعہ آیا مگر ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا مرزا نے ہم کو بتلا دیا ریویو جلد ۱ ص۱۸۳ ہم کہتے ہیں کہ ہر جگہ ذنب کے معنی گناہ ہیں مرزا اس کے معنی سوائے گناہ کے کچھ اور بتلاتا ہے ہم اپنے معنی کی تائید میں وہ سب کچھ کہتے ہیں جو مرزا توفے کے معنی کی تائید میں کہہ گیا۔ اور مرزا نے وہ سخن اختیار کیا ہے جو پرانے مولوی لفظ توفی کی تاویل میں اختیار کرتے ہیں۔ پس اب ہم مرزا سے اُسی قسم کے دلائل طلب کرتے ہیں جو خود مرزا ہمیشہ اپنے مخالفوں سے طلب کیا کرتا ہے ذیل کی عبارت میں ناظرین توفے اور اُسکے معنی مرجانے کی جگہ ذنب اور اُس کے معنی گناہ پڑھیں:۔

باز در حد امکان نیست کہ چنیں اثرے از صحابہ یا حدیثے از آنحضرت صلعم پیش کنند کہ معنے لفظ توفی بجز میرانیدن چیزے دیگر دراں بیان کردہ باشد و ہرگز مخالفاں بریں قدرت نخواہند یافت اگرچہ از حسرت بمیرند۔

وبعض از علمائے گویند کہ لفظ توفے در زبان عرب گاہے بمعنی استیفائے آید و ہمیں معنی در قرآن شریف انجا مراد است و ہرگاہ ازیں علماء مطالبہ سند کردہ شود پس ہیچ سندے از شعراء عرب نمے آرند:۔

در کتب لغت و ادب ہرگز مخالف ایں نخواہید یافت و ہرکہ تفتیش لغات عرب کند و

شتران جستجو برائے آن لاغر گردانداد ہرگز این لفظ را در مثل این مقامات بجز معنے میرانیدن نخواہد یافت و این لفظ بارہا در قرآن شریف ذکر کردہ شدہ است و خدائے تعالے این لفظ را در مقام میرانیدن استعمال کردہ است و قائم مقام لفظ اماتت گردانیدہ ؛

پس بذمہ این خصوصیت کنندہ است کہ بتائید دعوے خود شعرے از اشعار جاہلیت پیش کند یا کلامے از کلمات فصحاے این ملت بنماید ؛

من در دریاے علم عربی وارد شدم تا عمق آن رسیدم و بر کوہہائے بلند آن بر آمدم و توغلہا میدارم و ثمرہ ہاے آنرا چیدیم و از ہر طرف گرد آوردم و در کلام قوم تفحصہا کردم و صفحہ صفحہ دیدم پس بجز جسم میرانیدن و روح باقی داشتن معنی توفی در کلامے یا شعر شاعرے نیافتم۔

(مکتوب عربی معہ ترجمہ فارسی صفحات ۱۴۳ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۵۵ و ۱۵۶) ؛

قصہ مختصر ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر مرزا جی ساری عمر غوطہ کھائیں اور اسی جستجو میں ہندوستان کے تمام گدھوں کی پیٹھیں بھی لگا دیں تو بھی قرآن کی ایک آیت اور حدیث کی ایک روایت بھی نہ پائینگے جہاں ذنب کے معنے سوائے گناہ کے کچھ اور ثابت ہو سکیں اور نہ کسی اہل لغت یا شاعر کی کوئی سند لا سکینگے اگرچہ از حسرت بمیرند ؛

عصمتِ مسیح از قرآن و حدیث

گر من آلودہ دامنم چہ عجب   ہمہ عالم گواہِ عصمتِ اوست

باعتبارِ عصمت مسیح کی فضیلت

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اہل اسلام مذہبًا اسکو اپنا ایمانی عقیدہ سمجھتے ہیں کہ جملہ انبیا معصوم و بےگناہ ہیں اور وہ یہ ماننے کو بھی تیار ہیں کہ ان تمام انبیا میں مسیح روح اللہ کو باعتبارِ عصمت ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے جو کسی اور بشر کے لئے ممکن نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک ہم نے محض تحقیق سے کام لیا ہم کو روزِ روشن کی طرح ہویدا ہو گیا کہ کلمتہ اللہ کی بابت ایسی عصمت و بیگناہی کا عقیدہ سراسر قرآن و حدیث کے مطابق ہے:

اہل کتاب کے جتنے انبیا ہیں اُنکو اہل اسلام برحق تسلیم کرتے اور اپنے عقیدے کے لحاظ سے سب کو معصوم مانتے ہیں۔ اور گو ہم عیسائی لوگ مذہبًا اپنے انبیا کو عموماً معصوم نہیں مانتے تو بھی عصمت مسیح کے باب میں پُوری طرح اہل اسلام کے ہمزبان یہی کہتے ہیں کہ جسطرح قرآن و حدیث ویسی ہی انجیل شریف سے بھی کلمتہ اللہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے پس ظاہر ہے کہ عیسائیوں کے لئے تو کوئی روک نہیں کہ وہ موسےٰ یا داؤد یا کسی اور اپنے نبی کی عصمت سے اپنی پاک کتابوں کی بنیاد پر انکار کریں۔ مگر کسی مسلمان کے لئے جو جملہ انبیا کو معصوم ثابت کر رہا ہو کسی یہودی کے مقابل زِچ آکر موسےٰ کو یا عیسائی کے مقابل عیسےٰ کو بُرا بھلا کہنا اور ناگفتنی زبان سے نکالنا سخت کور باطنی ہے:

مرزا نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

ہم آج کل یہی تماشا دیکھ رہے ہیں کہ مرزا قادیانی (خدا اُنکو ہدایت بخشے) ایک طرف تو عصمت انبیا علیہم السلام "ثابت کرنے چلے ہیں (ریویو نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۲ء) اور دوسری طرف "یسوع کی عصمت پر اعتراض" سُنا رہے ہیں (ضمیمہ ۴) اور ہمیں نہیں معلوم کہ کونسا الہام یا عرفان اِن دونوں عنوانوں کو مطابق کر سکیگا۔ کیا عیسائیوں کی ضد میں عیسےٰ کا نام انبیاء کی فہرست سے کاٹ دیا؟ اہل اسلام کا عقیدہ حضرت مسیح کی عصمت کے باب میں جو کچھ ہے اُسکو خود مرزا صاحب نے بڑے قلق کے ساتھ اپنی کتاب نور الحق میں یوں بیان کیا ہے "ہمارے مولوی لوگوں نے کہا مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں بےمثل ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اُسمیں پائی جاتی ہیں اُسکے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلےٰ درجہ پر گناہوں سے پاک ہے۔ شیطان نے اسکی پیدائش کے وقت اسکو چھوا نہیں تاہم بجز اسکے سب نبیوں کو چھوا اور کوئی شیطان کی مس سے بچ نہ سکا مگر ایک مسیح اور اس صفت میں نبیوں میں سے اُسکا کوئی بھی شریک نہیں" (حصہ اوّل صفحہ ۷) ؛

اگر حضرت مسیح کی ایسی بیگناہی کا مسئلہ صرف اہل اسلام کی خوش اعتقادی سے ہوتا تو ہم کو اسکی چنداں پروا نہوتی مگر ہماری تحقیق ہم کو بتلاتی ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کی بڑی مستحکم بنیاد پر قائم ہے جسکے مقابل مرزا جی کی خلاف بیانی بالکل ہیچ ہے اور اس باب میں ہم وہی کچھ لکھیں گے جو ایک راسخ الاعتقاد مسلمان قرآن کو حق مان کر لکھ سکتا ؛

مسیح استغفار و ذنب سے بری بروئے قرآن

اوّل۔ اگر کوئی سارے قرآن شریف کو پڑھ کر جانچے تو اس پر یہ بات روشن ہو جائیگی کہ اسلام کے جو پانچ اولوالعزم رسول ہیں یعنی آدم ابراہیم موسےٰ۔ عیسےٰ و محمد یہ سب بجز ایک حضرت عیسےٰ کے اپنے اپنے ذنوب یعنی گناہوں کا اقرار کرتے اور اپنے رب سے مغفرت یعنی آمرزش کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی حضرت مسیح کی استثنائی معصومیت کا قائل نہو تو وہ کچھ جواب نہیں دے سکتا کہ کیوں اُن سے اقرار ذنوب یا استغفار منسوب نہیں کیا گیا ؛

بروئے حدیث

دوم ۔ اگر احادیث صحیحہ پر غور کیا جائے کہ جن پر قرآن شریف کے بعد اسلام کا دارومدار ہے تو وہاں بھی یہی امر پیش آتا ہے ۔ مثلاً حدیث شفاعت کو دیکھو جو صحیحین کی روایت سے ثابت ہے ۔ اسمیں ہر نبی "ذکر کرتا ہے اپنی خطا کا جو اُس سے صادر ہوئی اور شرماتا ہے اپنے رب سے اُس کے باعث" فیذکر خطیئتہ التی اصاب فیستحی ربہ منھا (مشارق الانوار نمبر ۱۵۹۱) +

اور اسی میں حضرت مسیح فرماتے ہیں ولکن ائتوا محمدً اعبداً قد غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر "لیکن تم لوگ محمد پاس جاؤ جو ایسا بندہ ہے جس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے" مگر اس قسم کے کوئی بھی الفاظ حدیث شریف میں مسیح سے منسوب نہیں ہوئے جس سے گمان ہوسکے کہ کبھی کوئی خطا یا ذنب آپ سے بھی سرزد ہوا جسکو آپ خود یا کوئی اور نبی یاد کرتا ۔ بلکہ یہی روایت جو مسلم میں وارد ہوئی اُس میں اس قدر حضرت مسیح کی شان میں اضافہ ہوا ہے ۔ ولم یذکر لہ ذنباً "اور ہرگز کوئی ذنب اُنکے متعلق مذکور نہ ہوگا" خطا اور ذنب کے متعلق مرزا کی تمام رقیق تاویلات کا رد ہو چکا ہے ؛

مسیح مس شیطان سے پاک بروئے قرآن

سوم ۔ قرآن شریف میں صاف صاف الفاظ میں وارد ہوا کہ والدہ مریم صدیقہ نے صدیقہ کو اور نیز اُنکے فرزند مسیح کو قبل تولد ہی خدا کی پناہ میں سپرد کردیا تھا اور اُنکے حق میں دعا کی تھی انی سمیتھا مریم وانی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم (آل عمران ع ۴) "میں نے اُسکا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُسکو اور اُس کی اولاد کو شیطان مردود سے" ۔ اسلام کی اصطلاح کے موافق قبل تولد ہی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں اسطرح سونپے جانے کے معنی سوائے پوری بیگناہی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے ۔ اور یہ مفہوم آیت کا اس درجہ برجستہ اور صاف ہے کہ آجتک کوئی ذی وقار مسلمان معتنر نہیں سنا گیا جس نے اس معنی سے کبھی انکار کیا ہو اور انکار کرتا کیسے جبکہ خود صحابہ نے یہ ہی سمجھا کہ جو آنحضرت کی احادیث کے خازن اور امین مانے جاتے ہیں ؛

منہ اس ۔ صدیثوں سے استدلال کیا ہے جنکی صحت میں کبھی شبہ نہیں ہوا اور امید ہے کہ اہل اسلام اس بات کا بہت زیادہ لحاظ رکھینگے ۔

چہارم۔ گویا اس آیت کی تفسیر و تشریح میں آنحضرت کا یہ قول بھی ہے جو صحیحین میں منقول ہے (مشارق الانوار نمبری ۹۲۹) ما من مولود یولد الا الشیطان یمسہ حین یولد فیستھل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنہا۔ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اسکو چھو لیتا ہے شیطان پیدا ہوتے وقت پس وہ چلاتا ہے چیخ کر اسکے چھونے سے مگر مریم اور اسکا بیٹا۔ یہ ایسی مشہور حدیث ہے کہ ہر محمدی مفسر نے قرآن کی آیت متذکرہ بالا کی تفسیر میں اسکو بیان کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو کوئی مانے یا نہ مانے مگر آنحضرت نے ایسا ضرور بتلایا ہے کہ انسانی پیدائش کا عالمگیر قانون یہی ہے کہ ہر بچہ بطن مادر سے نکلتے وقت مس شیطان میں مبتلا ہوتا ہے اور اسکی پہلی چیخ کا باعث مس شیطان ہوتی ہے اور اس مس سے سوائے مریم اور مسیح کے کوئی محفوظ نہیں رہا۔ اس سے مبرا ہونے کی خصوصیت صرف انہی دو تن کو حاصل ہے۔ بخلاف جملہ مفسرین اس حدیث کی تفسیر میں مرزاجی یوں مطراز ہیں۔ میں یہاں انکے انگریزی رسالہ نمبر ۹ صفحہ ۲۳۹ سے اردو میں ترجمہ کرتا ہوں یہی مضمون اردو رسالہ صفحہ ۲۴۹ میں بھی مختصر طور پر موجود ہے:

مرزاجی اور مس شیطان مسلمانوں کے درمیان ایک یہ حدیث مشہور ہے کہ عیسے اور اسکی ماں مس شیطان سے مبرا تھے۔ لیکن ان الفاظ کی تعبیر میں غلطی کی جاتی ہے اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی استثنائی جلال مریم یا اسکے فرزند کا الہام سے ظاہر ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح اور اسکی ماں پر یہود نے بڑی آزادی کے ساتھ فحش اور نہایت ہی ناپاک قسم کے بہتان لگائے تھے۔ انہوں نے شیطانی افعال ماں اور بیٹے دونوں سے منسوب کئے تھے اور انہیں کمینہ بہتانوں کی جو ان کی پاکدامنی پر لگائے جاتے تھے تردید کرنے کو اور انکو الزام سے پاک کرنے کو یہ الفاظ ابتداءً استعمال ہوئے۔ یہی ایک پہلو ہے جس کے لحاظ سے یہ حدیث مریم اور اسکے فرزند کو مس شیطان سے مبرا بیان کرتی ہے۔ یہ الفاظ دوسرے انبیا کے حق میں وارد نہیں ہوئے۔ کیونکہ انکی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ پیش

نہیں آیا۔ اور نہ ایسا کوئی گندہ الزام ان میں سے کسی پر لگایا گیا؟"

یہ کیا اچھی ہوئی تقریر ہے اور کس قدر اپنے مدعا کے خلاف۔ شاید اسکو الہام کا نقص عارض ہے اگر مس شیطان سے متبرا ہونے کے یہی معنے ہیں کہ فحش اور نہایت ناپاک الزاموں کی تردید کیجائے تو مس شیطان میں مبتلا ہونے کے معنے بالکل اسکے برعکس ہوئے۔ کیونکہ یہاں نہ صرف یہی بیان کیا کہ مریم اور مسیح مس شیطان سے بری ہیں بلکہ یہ بھی بیان کر دیا کہ ہر دوسرا بشر وقتِ تولد اس میں گرفتار ہو چکا ہے۔ پس یہی حدیث جو صدیقہ اور اُسکے فرزند کی بریت کا حکم رکھتی ہے کل بنی آدم کے لئے فردِ جرم متصوّر ہوگی۔ اس میں ایک امر واقعہ کا اظہار ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے بلا امتیاز مس شیطان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سوا ے مریم اور مسیح کے اس سے کوئی محفوظ نہ رہا۔ پھر کیا ہم آپکو یاد دلائیں کہ یہ حدیث یہود کی تردید میں بیان نہیں کی گئی جو فحش الزام لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو چھ سو برس قبل ہی موافق شہادت قرآن کے کلمۃ اللہ کی زبان معجز بیان سے صُمٌ بکمٌ کر دئے گئے تھے جب انہوں نے صدیقہ سے آکر کہا تھا یا مریم لقد جئتِ شیئاً فریّا۔ بلکہ حدیث تو اُن لوگوں سے بیان ہوئی جو دلی ایمان و ایقان سے مان چکے تھے کہ مریم صدیقہ ہے اور اُسکا فرزند کلمۃ اَلقیٰھا اِلیٰ مریم و رُوحٌ مِنہُ اور اس میں بھی ایک قاعدہ کا یہ بیان کیا گیا جسکے ضمن میں مستثنےٰ کا ذکر بھی لازم آیا۔ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو مسیح کی پاک پیدائش قرآن سے کافی طور پر ثابت نہ ہو سکتی؟

معنی حدیث ما بین مولوو ہم کو اس حدیث کے معنی بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ وہ تو ظاہر سے زیادہ ظاہر ہیں اور علمائے اسلام کے درمیان اسپر کوئی نزاع نہیں۔ چنانچہ شیخ سلیمان جمل شارح جلالین فرماتے ہیں قال علمائنا فی ھذا الحدیث ان اللہ استجاب دعاء اُم مریم وان الشیطان ینخس جمیع بنی آدم حتی الانبیاء والاولیاء اِلّا مریم وابنھا کہا ہے ہمارے علماء نے اس حدیث

کے باب میں کہ تحقیق اللہ نے قبول کی دعا والدہ مریم کی اور تحقیق شیطان کو نچتا ہے تمام بنی آدم کو سوائے نبیوں اور ولیوں کو بجز مریم اور اُس کے فرزند کے"۔ پس مرزا جی صرف یہی نہیں کہ "یہ الفاظ دوسرے انبیا کے حق میں وارد نہیں ہوئے" بلکہ بمقتضائے قانون پیدائش انسانی یہ الفاظ کسی کے حق میں وارد ہو ہی نہیں سکتے تھے اور حدیث میں ایک حقیقت کا اظہار ہے نہ کسی مناظرے کا اشتہار:

حدیث کی صحت ہاں ایک بات ضرور ہے کہ مرزا جی اس حدیث کی تاویل میں جو اسطرح چوک گئے تو شاید آپ اپنے مریدوں کے روبرو اب اُسکی صحت سے انکار کرنا زیادہ مناسب سمجھیں اور اس انکار کی بابت نہ ہم پیر سے مواخذہ کر سکتے ہیں اور نہ مریدان با عقیدت سے۔ کیونکہ یہ لوگ دارالامان قادیاں میں رہ کر عقل و نقل کی عملداری سے باہر نکل گئے۔ مگر دوسرے مسلمانوں کی تسکین کے لئے اسقدر کہدینا بے موقع نہ ہوگا کہ قسطلانی شارح بخاری نے اس حدیث کی بابت فرمادیا ہے۔ وکفی لصحۃ ھذا الحدیث روایۃ الثقات وتصحیح الشیخین لہ من غیر قدح عن غیرھما۔ اِس حدیث کی صحت کے لئے یہی کفایت کرتا ہے کہ اسکو ثقہ راویوں نے نقل کیا اور اُسپر شیخین یعنی بخاری اور مسلم نے صاد کیا جسکے اوپر کسی دوسرے نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

پنجم۔ اِس حدیث کی رو سے اور آیت مذکورہ بالا سے جسطرح حضرت مسیح کی عصمت

عصمت صدیقہ مریم ثابت ہوتی ہے اسی طرح مریم صدیقہ کی بھی۔ اور اگر یہ برحق ہے کہ مریم معصوم تھیں تو عصمت مسیح کے لئے ایک طبعی دلیل بھی ہاتھ لگتی ہے۔ انسان کی وہ فطرتی کمزوری جو اُسکو گناہ کی طرف مائل کرتی ہے اسکو وراثتہً اپنے ماں باپ سے حاصل ہوئی۔ اہل کتاب کی اصطلاح میں اِسکو پیدایشی گناہ کہتے ہیں اور اسی لئے حدیث میں کہا گیا خطاء آدم فخطأت ذریتہ آدم نے خطا کی اور اسی سبب سے اُسکی اولاد نے خطا کی۔ کوئی بشر نہیں جسکے دل میں یہ موروثی فساد نہ ہو۔ شق صدر کی مشہور روایت

میں اسکو وضاحت سے دکھلایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو پکڑا اور اوپر سے نیچے تک سارا سینہ چاک کرکے دل کے اندرونی جوف میں سے علقہ سوداء یعنی ایک کالے منجمد خون کا لوتھڑا نکال ڈالا جو حظ الشیطان یعنی شیطان کا حصہ تھا (دیکھو مشکوۃ علامات النبوۃ۔ ابن ہشام ذکر شق صدر۔ تفسیر عزیزی الم نشرح) اور اس حظ الشیطان کی جڑ ایسی گہری فطرت انسانی میں ہے کہ شق صدر کا عمل بھی مکرر سہ کرر کرنا پڑا تھا۔ پس صرف ایک حضرت مسیح ہیں کہ جو اپنی پیدائش میں باپ کی طرف سے فطرۃً ہر موروثی آلائش سے مبرا ہے۔ اور اُنکے وجود میں وہ فطرتی کمزوری جو انسان کے روح کو مغلوب کرکے گناہ کا موجب ہو جاتی ہے کلیۃً مفقود ہو گئی۔ اور یہ امتیاز ایسا ہے جو بجز مسیح کے کسی بشر کو نصیب نہیں ہو سکا*

تولد بے پدر **ششم۔** حضرت مسیح کی معجزانہ یعنی بے پدر پیدائش۔ عیسائی اسکو انجیل کی بنا پر اور مسلمان قرآن کی بنا پر مذہبًا مانتے ہیں۔ اور اُنکے نزدیک دنیا میں ایسی کوئی عقلی دلیل نہیں جو الہامی دلیل سے زیادہ مضبوط اور قوی ہو۔ سید احمد مرحوم نے اسکا انکار کیا تھا اور اس میں وہ سراسر اُس یورپی گروہ کے مقلد ہو گئے تھے جو شہادت کی بنا پر جملہ معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ ہم یہاں اس سؤال کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ اگر مقدس کتابوں کے بیان کو الہام کے اعتبار پر قبول نہ کر لیا جائے بلکہ محض مؤرخانہ اصول روایت سے کام لیا جائے تو کسی نبی کا کوئی معجزہ مثل کسی اور تاریخی واقعہ کے ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ سید نے معجزانہ تولد کا انکار کیا اور اُن دلائل کو سنا دیا جو آپ نے منکرین معجزہ سے یاد کی تھیں۔ اور ہم کو کوئی تعجب نہیں آیا*

مرزا کا اقرار انکار مگر مرزا غلام احمد نے ایک نیا تماشا کیا ایک طرف تو آپ سرسید کو ڈانٹتے ہیں کہ انہوں نے اُس خیال کو ظاہر کیا کہ درحقیقت عیسےٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے" اور ایک طرف یہودیوں کے تمام اعتراض سُنا کر اور حمل صدیقہ کی نظیر میں پُرانوں کے قصوں اور ہندوؤں اور یونانیوں کے افسانوں کا حوالہ دیکر آپ

مخالفین کے ہمزبان سوال کرتے ہیں کہ "کیوں جائز نہیں کہ صدیقہ کے حمل کے لئے کوئی مخفی صدیق ہوا"۔ اور پھر آیت لاھب لک غلاماً زکیا سے بدظن ہو کر آپ جواباً خود فرماتے ہیں کہ "لوگوں کو اس جدید منطق کی طرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ حمل عطا کر دیا کرتا ہے" (صفحہ ۱۴۸ و ۱۵۰) اور دوسری طرف ایک فرمانبردار طفل مکتب کی طرح گویا مار کے ڈر سے قبول کر لیتے ہیں کہ "قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے"۔ "اسلام نے وحی الہٰی کی اطاعت سے اس قسم کے حمل کو مان لیا ہے اسلئے ایمانی رنگ میں نہ کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا" واہ ؎

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کس قدر مجبل کے مرزاجی نے اس حقیقت کو مانا ہے۔ ہم کو یہود یاد آتے ہیں فذبحوھا وما کادوا لیفعلون اور اس پر بھی آپ یہ فرماتے ہیں کہ "قرآن شریف کا مسیح اور اسکی والدہ پر احسان ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بند کر دی ورنہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور انکی ماں کے چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں نے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کی طرف مائل ہو جاتی"۔ اگر یہی منطق ہے تو کل کو آپ یہ بھی کہ سکتے ہیں کہ قرآن نے خدا پر احسان کیا کہ اسکی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کیا ورنہ کروڑہا انسان برہما کی رائے کی طرف مائل ہو جاتے۔ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ حق پر گواہی دینا اپنے نفس پر احسان کرنا ہوتا ہے پس اس برحق اور پاک پیدائش کو مان لینا قرآن کا بھی فرض تھا۔ کیا آپ بھول گئے؟ کہ "انہی بہتانوں کی وجہ سے یہود پر پھٹکار پڑی" (ص ۱۵۰)۔ پھر کون اس پھٹکار میں حصہ لینا چاہتا؟ مگر مطلب سعدی دیگر است۔ اس پردے میں دراصل آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مسیح کی بے پدر ولادت کو مان کر خود بدولت نے عیسائیوں اور مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ خیر احسان ہی سہی۔ مگر آپ پھٹکار سے کیوں ڈر گئے۔ آپ کے سر پر تو پھٹکار نے آشیانہ بنا لیا ہے

تولد بے پدر کا اقرار

اب جبکہ تولد بے پدر کو تمہارے ایمان نے مان لیا تو تمہارا فرض ہے کہ بتاؤ اس راز کا مقصود اور اسکا سر اور رمز کیا ہے؟ کیوں سلسلہ قانون توالد کو مسیح کی پیدائش میں معطل کر دیا؟ کیوں استقرار فطرت کو توڑ دیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ نیچر کا ایک مہمل کھیل تھا؟ اگر یہ معجزہ تھا تو پھر کیونکر ایسا بڑا معجزہ اکارت جا سکتا تھا؟ مرزا جی کے پاس ہمارے ان سوالوں کا صرف یہی جواب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو منظور تھا کہ یہودی "اپنی جبلی شرارتوں سے حضرت مسیح اور انکی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور انکو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں" جس سے مریم اور مسیح کو تو یہ نفع ہوا کہ "حضرت مریم صدیقہ اور ان کے سعید لڑکے کو ایسے بہتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچا ہوگا اسکا اندازہ ایک شریف کر سکتا ہے"۔ اور یہودیوں کو یہ نفع ہوا کہ "انہیں بہتانوں کی وجہ یہود پر پھٹکار پڑی" (ص ۱۵۰) اور ایسا فعل شان کبریائی کے تو ہرگز شایاں نہیں ہے:

مرزائی مشکل

آپ فرماتے ہیں کہ "اس جگہ پادری صاحبان کے لئے بڑی مشکل ہے"۔ کہنا یہ چاہئیے تھا کہ اہل اسلام کے لئے بڑی مشکل ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مشکل صرف آپ کو ہے۔ ہماری مشکل تو حل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ولادت نے مولود میں ایک روحانی قوت دے دی۔ اس میں آدم کے خطا کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور موروثی کمزوریوں سے بالکل آزاد کر کے اس حظ الشیطان کو جو نسلاً بعد نسل باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا چلا آتا تھا۔ ابن مریم میں معدوم کر دیا جسکا نتیجہ انکی بیگناہ و بے ذنب زندگی میں بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب روشن ہو رہا ہے۔ اور جب یہ پیدائش جس نے قانون فطرت کو توڑ دیا اتنی بڑی ذاتی برکت کا باعث ٹھہری کہ مسیح معصومیت میں فرد ثابت ہوئے تو نفع سراسر مریم اور ابن مریم کے ہاتھ رہا جن میں سے روحانی فیض کے چشمے بنی آدم کی سیرابی کے لئے آج تک جاری ہیں اور آخر تک جاری رہیں گے۔ اور یہودیوں کی شرارت اور خباثت سے انکو سر مو گزند نہیں پہنچا۔ مقدسہ مریم فرماتی ہیں۔

تب سے تمام پشتیں مجھکو مبارک کہینگی" دیکھو لوقا ۱ باب چنانچہ آسمان پر تو ملائکہ پکار رہے ہیں ان اللہ اصطفٰک وطہرک ۔ اور ایک جہان جس میں تمام مسلمان اور تمام عیسائی شامل ہیں اُنکی پاکدامنی کی قسم کھا رہا ہے۔ پھر یہ مٹھی بھر یہودی جنپر اُنکی گستاخی کی وجہ سے اللہ کی مار بھی پڑ چکی کس مُنہ سے کسی ایماندار کے سامنے زبان کھول سکتے ہیں ۔ ہاں قادیان میں اُنکا کچھ زور ہو تو ہو جسکا دارومدار یہود کی صحیح سنت پر ہے ۔ مسیح کے تولد بے پدر کو مان کر مرزا جی نے

تولد بے پدر کی نظیر مفقود

اپنی مشکلوں کو خوب بڑھا رکھا ہے ۔ آپ ہم کو سناتے ہیں کہ پہلے انسان کے ماں باپ وہاں دونوں نہ تھے اور ہم روز دیکھتے ہیں کہ صدہا کیڑے بغیر ذریعہ ماں باپ کے پیدا ہوتے رہتے ہیں"۔ حضرت مسیح کی ولادت میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یونانی اور ہندی طبیبوں نے اس کی نظیریں دی ہیں کہ کبھی انسان محض ماں کے مادہ سے بغیر باپ کے نطفہ کے پیدا ہو سکتا ہے" (جلد اول نمبر ۲ صفحہ ۶۷ – ۶۸)

ہم انکار کرتے ہیں کہ کبھی کوئی انسان بلا ماں باپ کے پیدا ہوا اور خود تم کو بجز اس اقرار کے چارہ نہیں کہ "جس بات کی ہم تلاش میں تھے یعنی یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اسکی نظیر یقینی طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہمیں نہیں مل سکی" (صفحہ ۷۰)

اب رہے کیڑے جو آپکو اس قدر ستا رہے ہیں اگر حق ہے تو قانون فطرت یہ ٹھیرا کہ اس قسم کے کیڑے ہمیشہ بلا ماں باپ پیدا ہوا کریں ۔ انکو انسانی تولد کے قانون سے کیا نسبت یہ سبق شاید قادیان کے مدرسۃ العلوم میں پڑھایا جاتا ہو کہ چونکہ بعض کیڑوں کی پیدائش کا قانون بلا ماں باپ کے پیدا ہونا ہے اس لئے بعض انسان بلا باپ صرف ماں سے پیدا ہونگے

پیدائش آدم

پہلا انسان جو بے ماں باپ پیدا ہوا وہ مسیح کے تولد کی نظیر نہیں ہو سکتا اور ہم تم کو بتا دیں کہ کیوں ۔ تکوین جنس کا قانون ایک ہے جس سے کوئی جنس صفحۂ ہستی پر موجود ہوتی ہے ۔ اور تکثیر جنس کا قانون دوسرا جس سے ایک جنس کے افراد زمین پر بڑھتے ہیں ۔ جب پہلا انسان موجود ہو گیا جیسے کسی جنس کا پہلا درخت یا پہلا حیوان تو اب

بقائے جنس کا قانون جاری ہوا کہ درخت بیج سے اور حیوان ماں باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا رہے۔ کس صفائی سے قرآن فرماتا ہے بدأ خلق الانسان من طین۔ شروع انسان کی پیدائش مٹی سے ہے ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین۔ پھر بنائی اُس کی اولاد نچڑے پانی بے قدر سے (سجدہ ع۱) پس اگر بقول تمہارے "حضرت مسیح کی ولادت میں کوئی خصوصیت نہیں" تو وہ کیوں ترقئ جنس یعنی افزائش نسل آدم کے اٹل قانون کے تابع نہیں رکھے گئے؟ کیوں وہ بھی ماء مھین ذلیل و خوار پانی سے نہیں پیدا کئے گئے؟ کیوں قانون ولادت ٹوٹا؟ پھر کی یہ کیا دل لگی تھی؟ ہم کہتے ہیں کہ مسیح آدم ثانی ہے اور ایک نیا مخلوق اور اُسکی پیدائش کو آدم کی پیدایش پر بوجوہ فضیلت حاصل ہے قرآن کے بیان کے مطابق آدم کو اللہ نے اس طرح خلق کیا کہ اُس کے جسم کو تو من صلصال من حمأ مسنون خشک کھنکھناتی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے نکالی گئی تھی بنایا۔ (حمیدی) اور یہ مشت خاک آدم کے لئے گویا بجائے مادر کے متصور تھی اور بالکل بے حقیقت تھی۔ آخر خاک تھی جس سے کم قدر کوئی شے عالم سفلی میں نظر نہیں آتی اور اِسی کثیف اصل کے عذر پر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ اِس خاک کے پتلے کو جو کچھ شرف حاصل ہوا وہ صرف اس روحانی مناسبت سے کہ اللہ نے اُس میں اپنی روح پھونکی و نفخت فیہ من روحی (حجر) اور یہی نفخ روح پیدائش آدم میں باپ کی جگہ متصور ہے:

مسیح آدم ثانی مگر اللہ پاک نے پسند نہ کیا کہ آدم ثانی کے کالبد کو اُسی حقیر صلصال سے بنائے جس سے آدم پیدا ہوا تھا۔ یا اس ماء مھین سے بنائے جس سے نسل آدم کی پیدائش ہوئی۔ بلکہ اُس نے اُس کے مادے کو جسم اطہر صدیقہ میں لطیف و نظیف بنایا اور اُس میں ایسی برکت رکھی کہ وہ ہر کدورت سے پاک ہو گیا۔ آدم کا جو خاک کا کالبد بنایا تھا وہ شیطان کے تصرف سے نہیں بچ سکتا تھا حتےٰ کہ اہل اسلام میں یہ روایت بھی مشہور ہے

کہ اللہ نے آدم کا پتلا بنا کر چالیس برس تک زمین کعبہ میں ڈال رکھا تھا تو شیطان آیا اور اُس کے تمام اعضا کا امتحان کیا۔ پھر اُس نے لات مار کر اسکو ٹھکایا اور اُس کے مُنہ میں گھسا اور پیٹ و سر میں خوب گشت کرتا ہوا ناک کی راہ نکل آیا (دیکھو طبری فارسی اور تفسیر عزیزی)

بطن اطہر صدیقہ

مسیح کے جسم کو خدا نے ایک برتر طریقہ پر خلق کیا۔ قرآن کہتا ہے کہ اُسنے پہلے مریم کو پیدا کیا اور آنحالیکہ بطن مادر سے وہ خدا کے سپرد کی گئیں۔ پھر خدا نے انکی حفاظت کی ایسی کہ شیطان پاس نہ آنے پایا نہ انکو چھو سکا۔ نشو ونما انہوں نے خدا کے گھر یعنی مسجد الاقصٰے الذی بٰرکنا حولہ میں پائی۔ اُن کی تعلیم و تربیت پر صالح نبی زکریا مامور ہوا۔ آسمانی خوراک رزقاً من عند اللّٰہ سے انکی پرورش کی گئی۔ فرشتوں نے انکی خدمت کی اور انکو پاک کیا حتٰے کہ خدا نے انکو اپنا کر لیا اور تمام نساء العالمین پر سرفراز کیا (کیا قادیان میں کوئی مرد اور بڑھیا جو صدیقہ کے مقابلے میں کہدے کہ میں نے کچھ سا پوت جایا ہے؟)

اسی کے بطن اطہر سے جو ہر لوث سے منزہ تھا خدا نے کسی نامعلوم روحانی عمل سے اپنے کلمہ کا جسمانی لباس بنایا۔ بھلا اسکو شیطان کیسے چھوتا؟ یہ فضیلت آدم کو کب نصیب ہوئی آدم کے کالبد کو مسیح کے کالبد سے کیا مشابہت؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ دیکھو آدم جنت میں رکھے گئے۔ مگر انکو وہاں سے اترنا پڑا۔ مسیح زمین پر رکھے گئے اور انکو رفع سماوی ہوا۔ پھر روحانی مناسبت جو آدم کو حاصل تھی وہ سب مسیح میں بدرجہ اتم موجود ملتی ہے۔ وہ اللہ کا کلمہ اور اُس کی روح ہے۔ اب چاہے اُس کو ابن اللہ کہو چاہے کلمۃ اللہ۔ چاہے روح اللہ۔ اللہ کے ساتھ اُس پاک وجود کو جو بے مثل تعلق و واسطہ حاصل ہے اُس کے اظہار کے لئے انسان کی زبان تو قاصر ہے اور کچھ ایسے ہی الفاظ بے ساختہ موزوں ہو جاتے ہیں جن کے معنی اُس سے بہت زیادہ ہیں جو لوگ آج تک بیان کر سکے۔

مسیح آیت اللہ

ہم کو یہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ جیسی عجیب وغریب یہ پاک پیدائش تھی اسی کے بالکل مناسب ویسی ہی عجیب وغریب اس مولود کی ساری زندگی بھی ہوئی اُسکا ہر دم معجزہ تھا ہر قدم آیت اللہ۔ وہ اب بھی زندہ وقائم ہے اور بڑی تجلیات کے ساتھ آسمان سے نزول فرمائیگا۔ اور اس میں اُسکا کوئی شریک نہیں وہ آپ ہی اپنی مثل ہے ع

کہ عدیم است عدیلش چو خداوند کریم

اور گو آپ خدا تعالیٰ کی "قسمیں" کھا کھا کر اور ہزاروں "حلف" اُٹھا اُٹھا کر مثیل مسیح ہونے کا دعوے کریں اور زندگی بھر جھوٹ بولیں کہ مسیح سے بڑھ کر یہاں معجزات ظاہر ہو رہے ہیں اور ہمیشہ رٹا کریں کہ "مثیل عیسےٰ بھی بہت سی باتوں میں عیسےٰ سے بڑھ کر ہے" (۲۰۷ و ۲۰۸) مگر ہم آپ کی قسموں کے جواب میں یہی کہینگے لا تطع کل حلاف مہین کیونکہ ہم کو اور سارے جہان کو خوب معلوم ہے کہ آپ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کشمیر کے

سقیم قادیاں

سری نگر میں محلہ خانیار کی خاک چھانیں اور بالآخر "ذیابیطس واسہال کی بیماری بدن کے نیچے حصے میں اور دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر حصے میں" (نمبر ۹ ص ۳۴۶) لئے ہوئے آپ اسفل اور اعلےٰ کی ہزارہ مکروہات کے ساتھ جس خاک سے نکلے تھے اُسی سے جا ملیں۔ اے کاش آپ کا سر اس قدر نہ پھر جاتا اور شاید اُسی دن کے لئے کسی نے کہا تھا ع

مژدہ باد اے مرگ عیسےٰ آپ ہی بیمار ہیں

ہفتم۔ لوگوں نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ انسان کیونکر معصوم ہو سکتا ہے؟ ملک ہند کے سب سے بڑے محمدی عالم شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس سوال کو اٹھایا تھا اور اسکا جواب بھی دینا چاہا۔ آپ فرماتے ہیں کہ والعصمۃ لہا اسباب ثلثۃ ان یخلق الانسان نفیا عن الشہوات الرذیلۃ ۔۔۔ وان یوحی الیہ

حسن الحسین و قبح القبیح ..... و ان یحول اللّٰہ بینہ و بینما یرید من الشھوات الرذیلۃ (حجۃ اللّٰہ البالغہ) یعنی عصمت کے لئے تین اسباب ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ انسان شہوات رذیلہ سے پیدا ہی پاک کیا جائے (۲) یہ کہ وحی سے اُس کو نیکی کی خوبی و بدی کی بُرائی کا علم بخشا جائے (۳) یہ کہ حائل ہو جائے اللہ درمیان اُسکے اور اُسکے ارادوں کے جو شہوات رذیلہ سے پیدا ہوں ؛

اسبابِ عصمت جو مسیح میں باہم ہوئے

اگر ہم اسکو مان لیں تو اس معیار سے بھی حضرت مسیح عصمت میں منفرد ثابت ہوتے ہیں۔ پہلا سبب سوائے آدم کے کسی کو حاصل نہ تھا اور آدم کو بھی جو کچھ حاصل تھا وہ اُس کو خطا سے بچانے کو کافی نہ ثابت ہوا۔ آدم کے بعد اور بسبب اُس کی صلبی اولاد سے ہوئے خطاء آدم مخطائت ذریتہ کے حکم میں داخل ہو کر خاطی ہوتے آئے۔ مگر ہم مسیح کی معجزانہ پیدائش کی بحث میں یہ دلیل دکھلا چکے کہ یہ سبب بدرجہ کمال مسیح کی ذات کو حاصل تھا ؛

نبوت مادرزاد

دوسرا سبب وحی پر منحصر ہے اور وحی یوم ولادت سے کسی کو نہیں پہنچی سوائے حضرت مسیح کے (۱) آپ نفخ روح ہو کر بطن مادر میں تشریف لائے (۲) کلمۃ اللہ ہو کر زمین پر ظہور پرنور فرمایا (۳) آغوش مادر میں آتے ہی نبوۃ کا ڈنکا بجا دیا اِنِّی عَبدُ اللّٰہِ آتٰنِیَ الکِتٰبَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا۔ میں بندہ ہوں اللہ کا مجھکو اُس نے کتاب دی اور مجھکو نبی کیا (۴) تکلم فی المھد آپ کا معجزہ نبوت تھا۔ علاوہ اسکے اور بھی طفلی کے معجزات ہیں۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نبی مادرزاد ہیں جیسا کہ کوئی اور نبی نہیں ہوا۔ پس یہ دوسرا سبب ہمیشہ سے آپکو حاصل رہا ؛

تیسرا سبب ایسا ہے کہ بہت سے خدا کے بندوں میں عام ہو سکتا ہے اور جسکی نسبت جسقدر شہادت ہم پہنچ جائے اُسکو اُسی حد تک گناہ سے محفوظ مان سکتے ہیں اور یہ ایسا سبب ہے جو اُسی شخص کو درکار ہو سکتا ہے جسکو پہلے دو سبب حاصل نہوں۔

اگر کسی درجہ یہ سبب انبیا کو حاصل تھا تو وہ اُنکو حقیقی معنی میں معصوم نہ کرسکا کیونکہ اقرار ذنوب و استغفار اسکے منافی ہیں۔ مگر مسیح کو علاوہ پہلے دو سببوں کے ایک اور برکت بھی حاصل تھی۔ اگر اُسکو دوسرے سبب میں شامل نہ کریں وہ تیسرے سبب کی جگہ کسی نہایت اعلے مرتبے پر متصور ہوتی ہے۔ ایدناہ بروح القدس مدد دی ہم نے اسکو روح پاک سے۔

اہل اسلام اس آیت کے معنی خوب جانتے ہیں اور مرزا صاحب کو اسکا بڑا تعلق ہے۔ آپ اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۰۵ میں لکھتے ہیں "اسکی تفسیر میں تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ روح القدس ہر وقت قرین اور رفیق حضرت عیسٰے کا تھا اور ایک دم بھی اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ دیکھو تفسیر حسینی تفسیر مظہری تفسیر عزیزی معالم ابن کثیر وغیرہ۔ اور مولوی صدیق حسن فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں ۔ ۔ ۔ ۔ لکھتے ہیں جبرائیل ہمیشہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتا تھا اور ایک طرفۃ العین بھی اُن سے جدا نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ اُن کے ساتھ ہی آسمان کو گیا" اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں بالجملہ تائید بروح القدس بہر معنی کہ باشد از مخصوصات ایشاں بود۔ یعنی حاصل کلام تائید روح القدس چاہے اسکے کچھ ہی معنی کیوں نہوں حضرت مسیح کی خصوصیات سے ہے۔

خصوصیات مسیح

اس تمام تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسیح کی عصمت کی خصوصیت میں مرزا جی نے جو کچھ کلام کیا تھا وہ سراسر قرآن و حدیث کی ضد میں تھا اور یہ جو علماء اسلام کہتے تھے بالکل حق نکلا کہ "مسیح ابن مریم اپنی بعض صفات میں بیمثل ہے اور جو کمال اور بزرگیاں اس میں پائی جاتی ہیں اُسکے غیر میں نہیں پائی جاتیں۔ وہی ایک ہے جو اعلے درجہ پر گناہوں سے پاک ہے۔ شیطان نے اسکی پیدائش کے وقت اسکو چھوا نہیں اور بجز اُسکے سب نبیوں کو چھوا۔ اور کوئی شیطان کی مس سے نہ بچ سکا مگر ایک مسیح۔ اس صفت میں نبیوں میں سے اُسکا کوئی بھی شریک نہیں" اور جب حضرت مسیح کی زندگی کے حیرت افزا عظیم الشان واقعات

پر ایمان کی نظر سے غور و فکر کیا جاتا ہے۔ درگاہ سرمدی میں اپنی والدہ صدیقہ کی بے نظیر مقبولیت انکا بے پدر تولد۔ اُنکے معجزات بیّنات۔ انکا صعود آسمانی۔ انکی حیات۔ انکا دوبارہ بڑے جلال و نصرت کے ساتھ نزول۔ اور انکا بطور حاکم عادل کے قیام تو ہمکو کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ گو مرزاجی ساری عمر اسپر رویا کریں کہ اہل اسلام نے حضرت عیسیٰ کو حد سے زیادہ بڑھا دیا یہانتک کہ بعض نے کہا کہ وہ فرشتہ ہے انسان نہیں۔ اور بعض نے کہا

عظمت روح اللہ

کہ وہ ایک کلمہ اور روح اللہ ہے اس صفت میں اسکا کوئی شریک نہیں۔ اور بعض نے اس پر اور حاشئے چڑھائے اور کہا کہ وہ ایک الگ مخلوق ہے جو فرشتوں سے بڑھکر ہے کیونکہ ملائک تو عرش پر نہیں جا سکتے مگر وہ عرش پر بیٹھا ہے۔ کیونکہ خداتعالےٰ کی طرف اسکا رفع ہوا اور خدا عرش پر ہے۔ پس وہ ہر ایک فرشتہ اور ہر ایک مخلوقات سے افضل ہے۔ یہ تو بعض علما کا قول ہے مگر صاحب کتاب انسان کامل عبدالکریم نے جو متصوفین میں سے ہے اس بارے میں حد ہی کردی۔ اور کہا کہ تثلیث ایک معنی کے رو سے حق ہے اور اسمیں کچھ حرج نہیں اور عیسٰے ایسا ہے اور ایسا ہے بلکہ اسطرف اشارہ کردیا کہ وہ خداتعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے (دیکھو...)

کیا حیرت کہ جب انہوں نے دنیا میں ایک ایسے فوق الانسان وجود کا مشاہدہ کیا جو قدرت الٰہیہ کا ایسا بیّن مظہر تھا اور اُسکو ایسے روحانی اوج اور بلندی پر دیکھا جس تک کوئی مخلوق کبھی پہنچ نہ سکا اور جسکے اوپر سوائے خالق کونین کے کوئی نظر نہیں پڑا تو اُنکی نگاہ خیرہ ہوگئی۔ اور بیخودی کے عالم میں جہاں ناظرہ و مکابرہ اپنے تئیں گم کردیتا ہے یہ لوگ وہ کچھ کہہ گئے جو کہہ گئے۔ اور کیونکر نہ کہتے؟ انکو تو خدا الگتی کہنا تھی عیسائیوں کی ضد میں اپنا ایمان برباد کرنا منظور نہ تھا۔ آپکو اسکا صدمہ ضرور ہے۔ مسیح کی یہ عظمت و شان دیکھ کر تم کو جو اپنے تئیں مثیل مسیح کہتے ہو اپنی ذلیل دخوارستی سے کیسی گھن آتی ہوگی؟ کیا عجب کہ تمہارے سینے میں کینے کی آگ بھڑک اُٹھی اور مغز استخوان کو جلائے ڈالتی ہے اس عناد کا علاج تو سعدی نے بتا دیا ہے

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست ۔۔۔ کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

عصمتِ مسیح از اناجیل

معہ ردّ شبہات

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

اوّل مرزا کا طریق عمل

روح اللہ کی عصمت مطلق پر قرآن و خبر کی ایسی بیّن شہادت موجود ہوتے ہوئے کون مسلمان ہے جسکو اپنے ایمان کا پاس ہو اور پھر بھی وہ آپ کی شان کے خلاف زبان ہلائے یا اپنی بے ادبی کی معذرت کرنے سے شرم نہ کرے۔ مگر مرزا جی کو دیکھو آپ کہتے ہیں "کاش

مرزا اور حمیت اسلام

پادری صاحبان خدا کے پاک نبیوں کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلعم سے مسلمانوں کا دل نہ دکھاتے تا مسلمان بھی یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے اور خود انجیلوں میں سے بھی حضرت مسیح کے عیبوں کی تفتیش نہ کرتے۔ یہ گناہ درحقیقت پادری صاحبان کی گردن پر ہے" ص ۱۰۹ اس منطق کا ماحصل یہ ہے کہ پادریوں نے آنحضرت کی توہین اور تحقیر کرکے مسلمانوں کے دل دکھائے۔ اسلئے مسلمانوں کو واجب ہوا کہ یہود کے ساتھ ملکر حضرت مسیح کی توہین اور تحقیر کرکے خود اپنے مسلمان بھائیوں کے دل دکھائیں اور گناہ گار ہو جائیں۔ اور چونکہ "ہزاروں کتابیں پیغمبر اسلام صلعم کی توہین میں شائع کی گئیں" ص ۲۰ پس مسلمانوں نے بھی اسلام کے ایک بڑے اولو العزم نبی کی توہین میں ایک کتاب شائع کردی

کیا خوب آپ نے پادریوں کی اصلاح کی! گویا مرزا کہتا ہے اے پادریو مسلمان ہو کر میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکا۔ پس اب اسلام ترک کر کے یہودی اور زندیق بن کر تمہارے مقابلے کو آتا ہوں یعنی تمہارا شگون بگاڑنے کو اپنی ناک کاٹتا ہوں ع

آفریں بر دست و بر بازوے تو

گو ہم مسلمانوں کے دل دکھانے والوں کے لئے معذرت نہیں کرتے مگر اس قدر کہہ دینا بے موقع نہیں کہ جن کے دل دکھے انکو خود معلوم ہو گیا کہ مخالفوں کو اشتعال دینے والا قادیاں کا ملّا اور اسکا مکتب تھا اور اسکی گردن پر اس گناہ کی مناسب جگہ ہے؛

مرزا کی اس تقریر سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ عیسائی تو عدم عصمت انبیا میں بائبل تک ملتی سے بحث کرتے ہیں اور دلیل میں اُن کتابوں کو پیش کرتے ہیں جو اہل اسلام کی مسلّمہ ہیں۔ مگر مرزا محض ضد پر تلا ہوا ہے "اور یہودیوں کی کتابوں کی مدد سے" صرف ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جسکو نہ خود مانتا ہے اور نہ اسکے مخاطب۔ اور یہ ایک ایسا شرم ناک مکابرہ ہے جسکو کوئی اہل حق جائز نہیں رکھ سکتا۔ اور شاید اسی لئے مرزا نے اختیار کیا ہو؛

ہم نے آجتک نہیں سنا کہ مسیح کے حق میں یہود کی بدزبانی اور بدگمانی کا جواب کسی عیسائی نے حضرت موسےٰ کو برا بھلا کہکر دیا ہو یا کسی ایماندار سنّی نے صحابہ کی حمایت میں شیعوں کا جواب دینے کے لئے حضرت علی کو گالیاں دی ہوں +

مولوی سید احمد حسن شوکت اس چال کو تاڑ گئے اور سچی اسلامی غیرت سے لکھتے ہیں وہ لوگ کس قدر شقی القلب ہیں جو عیسےٰ جیسے اولوالعزم نبی کو برا کہتے ہیں جنکی عظمت و رفعت و قربت اور جنکی والدہ ماجدہ کی عفّت و عصمت کی گواہی خود قرآن مجید نے دی ...... برخلاف اسکے مرتد قادیانی عیسےٰ علیہ السلام کو گالیاں دے کر دوزخ کا کندہ بنتا ہے اور اپنے کو عیسےٰ مسیح سے بہتر بنا کر دارالبوار کو اپنا مسکن بناتا ہے .... کوئی حکمت عملی کوئی مصلحت ضرور ہے کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلعم پر کھلم کھلا سب و لعن نہیں کیا جاتا۔

اگرچہ ضمناً اور معنًی کل انبیا، پر سب و لعن ہو چکا ہے۔ کیا معنے کہ جس شخص نے ایک بنی عیسے مسیح کو گالی دی اُس نے قرآن کا خلاف کیا اور تمام انبیا کو گالی دی" (ضمیمہ شحنہ ہند ۱۶ مئی ۱۹۰۳ء)۔

حضرت خضر پر نکتہ چینی

اور بات بھی ایمان کی یہی ہے کہ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ سوانح مندرجہ اناجیل کی بنا پر حضرت مسیح کی عصمت پر حرف گیری کرے۔ جب قرآن کی شہادت سے وہ انکو ایسے اعلےٰ درجہ پر معصوم مان چکا تو اُسکا فرض ہے کہ اگر کوئی وسوسہ کسی قول سے اسکے دل میں پیدا بھی ہو تو وہ تاویل کر کے اُسکو قرآن کے مطابق کرے اور خود معترض کو جواب دے۔ دیکھو حضرت خضر نے ایک بچہ کو مار ڈالا اور گو قتلِ انسان بلا قصاص ہر حال میں حرام ہے تاہم اس فعل پر حضرت موسےٰ کو بھی اعتراض کرنے کی مجال نہیں تھی۔ اور اُس کی ایسی تاویل کی جاتی ہے جو اس فعل میں حضرت خضر کے بیجا ہونے کی منافی ہو تو پھر کیونکر کوئی مسلمان حضرت مسیح کے کسی عمل پر اعتراض کر سکتا ہے گو اسکا سِتر اس پر پوشیدہ بھی ہو۔

مرزا کی مفروضہ امامت

حاشا ہم مرزا کو اپنا صحیح مخاطب نہیں سمجھتے کیونکہ اُسکے خیالات مسلمانوں کے مقبول نہیں۔ وہ ایک گمنام دینی خانہ بدوش گروہ کا پیشوا ہے جسکی مخصوصہ مسلمانی کا لُبِّ لباب مسیح کو گالیاں دینا۔ مرزا کو مسیح موعود اور مہدی مسعود کہنا اور چاروں طرف ڈھینگ مارنا ہے۔ عمر بھر تو آپ نے قرآن پڑھا مگر سمجھے اتنا بھی نہیں جتنا کبیرداس سمجھے تھے۔ پھر انجیل نہ سمجھنے کی اُن سے کیا شکایت وہ تو آپ کے تعلیمی نصاب میں بھی داخل نہ تھی آپ کی انجیل دانی نشری کیول رام نہ کلنک اوتار" کی قرآن دانی سے کچھ زیادہ ہے اور برہمچاری دھرم پال جی بی اے عرف عبدالغفور کی قرآن دانی سے کچھ گھٹ کر۔ ایک آریہ دوست نے اُن صاحب کا رسالہ ترک اسلام مجھکو نذر کیا جب حوا کی پیدائش پر میں نے اُنکے اعتراض سنے تو مجھکو ہنسی آئی اور یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ اعتراض کرنا مرزا نے برہمچاری جی سے سیکھا یا اُنہوں نے مرزا سے۔ ہر

کتاب ایک ہی اصول تفسیر کی محکوم ہے۔ جو اصول مرزا نے قرآن کی تفسیر کا بیان کیا بجنسہ وہی اصول انجیل کی تفسیر کا ہے۔ اور ایک حق پسند شخص تھوڑے صبر و دیانت سے صحیح معنی تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ جس مضمون پر ہم نے یہاں قلم اٹھایا اس سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ جو لوگ شریر دشمنوں کے شبہات کی وجہ سے کسی شبہ میں پڑ گئے ہوں اُس سے نکل آئیں۔ ورنہ مرزا کے ہر سخن سے روح اللہ کے ساتھ اُسکی قلبی عداوت و نفرت ٹپکتی ہے۔ حتیٰ کہ اُسکا سارا بیان ہذیان ہے اور جواب کا مستحق نہیں ؛

مرزا کا مسیح کے حق میں حسن ظن

بعض اقوال آپ کے قابل شنید ہیں "تمہاری راست پسندی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم گواہی دیں کہ حضرت مسیح کا ایک نیک خلق بھی عقلی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا" صہ ۱۷ "تاریخی واقعات کے ذریعہ سے ایک ذرہ بھی اخلاقی نیکی انکی ثابت نہیں ہو سکتی" صہ ۲۷ ایک فاضل یہودی نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ انسان درحقیقت ایک دنیا پرست اور مکار تھا جس سے نہ کوئی معجزہ ہوا نہ پیشگوئی سچی نکلی" صہ ۳۰ آپ کی زبان پر یہ نعوذ باللہ بھی کیسا بے محل آیا۔ پھر آپ حضرت مسیح کی عصمت پر "شریر دشمنوں" صہ ۱۱۶ "شریر یہودیوں" صہ ۱۵۰ "عیسائی قوم کے نکتہ چینیوں" صہ ۱۵۲ اور "فرقہ فری تھنکر" یعنی دہریہ "جو لنڈن میں موجود ہے جو خدا کی ذات کا منکر روح کی بقا کا منکر اور معاد کا منکر بریڈلا دہریہ کا پیرو ہے (صہ ۱۵۵) ان سب لوگوں کے اعتراضات بڑے مزے سے اُنہیں کی زبان میں بیان کر کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس قدر گستاخی سے حضرت مسیح اور انکی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شماری کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے وہ باتیں نہیں نکل سکتیں" صہ ۱۵۲ اور پھر بھی وہ باتیں آپ کے قلم سے بڑی تفصیل کے ساتھ نکلیں۔ اور آپکو نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کا مہدی ہونے کا دعوےٰ ہے ؛

سر تسلیم خم

اُدھر تو وہ شوراشوری اور ادھر یہ بے نمکی ملاحظہ فرمائیے۔ اس تمام نقل کفر کے بعد آپ دنیا کو اپنے مریدوں کی طرح بیوقوف سمجھ کر فرماتے ہیں۔ ہم نے یہ طویل عبارات

اس واسطے نقل کی ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا مدعا ان اعتراضات کا حوالہ دینے سے کیا تھا۔" اور آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ "ہم نے یہ طریق اس لئے اختیار نہیں کیا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسٰےؑ کو ایک بُرا آدمی ثابت کیا جائے۔ کیونکہ ہم اُسکو خدا کا ایک راستباز رسول سمجھتے ہیں" (یہ تو عین بندہ نوازی تھی)۔ "ہمارا مطلب صرف عیسائی مشنریوں کو شرم دلانا ہے" (ص ۳۰۹ و ۳۱۰)۔ اے کاش تھوڑی سی شرم مشنریوں سے آپ بھی مانگ لاتے!

ہم پوچھتے ہیں کہ جب ان اعتراضات کے طوماروں سے خود تمہارے نزدیک حضرت مسیح ایک بُرے آدمی ثابت نہ ہو سکے اور تم اُنکو برابر خدا کا ایک راست باز رسول سمجھتے ہی رہے تو پھر انکو کسی عیسائی یا مسلمان کی نگاہ میں کیا وزن حاصل ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیوں ان مردود اعتراضوں کی تردید کرنے کی تکلیف گوارا کرینگے؟ آپ نے غلطی کی اگر بجائے "شریر یہودیوں" کے اعتراض سنانے کے آپ شریر مسلمانوں کے ایسے اعتراض ایک جگہ جمع کر کے ہم کو سناتے جو آپ کے اور قادیاں کے مسلمانوں کے مسلّمہ ہوں تو ہم خوشی سے انکی تردید کرتے۔ پھر کیا دراصل آپ کو یقین ہے کہ لوگ آپ کے اس لغو قول کو باور کرینگے؟ کہ "میں شریر انسانوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستباز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہوں" (ص ۱۱۶)+

بہرحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن بڑے بڑے اعتراضوں کی جن میں مرزا جی مسیح کے "شریر دشمنوں" کے ساتھ متفق معلوم ہوتے ہیں اس جگہ بطریق ایجاز تردید کریں اور اسکی پروا نہ کریں کہ بعد میں وہ کہہ دینگے کہ یہ اعتراض تو ہمارا نہ تھا۔ ہم مسلمان اِسکو کب مانتے تھے وہ تو ایک "فاضل" یہودی یا فری تھنکر کا تھا ‡

دوم۔ مسیح کا دعوےٰ عصمت (۱) جسطرح قرآن و حدیث میں ہم مسیح کو کبھی اقرار ذنوب یا استغفار کرتے ہوئے نہیں پاتے اُسی طرح صحف اناجیل بھی اس باب میں بالکل ساکت ہیں۔ مسیح کے تمام مشرح حالاتِ زندگی۔ اُن کی دعائیں۔ اُنکے وعظ۔ دوستوں

اور دشمنوں کے ساتھ اُنکے مکالمے سب مندرج ہیں مگر ایک حرف انکی زبان سے کبھی نہیں نکلا جس سے گمان بھی ہو سکے کہ اپنی نسبت اُن کو کسی خطا یا عدول حکمی کا شبہ بھی رہا۔ وہ ہر ایک ایماندار کا فرض بتلاتے ہیں کہ خدا کے سامنے اقرار کرے کہ "جس طرح ہم اپنے قصورواروں کو معاف کرتے ہیں تو ہمارے قصور معاف کر" مگر وہ کبھی اپنے کسی قصور کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے۔ لم یذکولہٗ ذنب یہاں بھی اُنپر صادق آتا ہے۔

من آنم کہ من دانم

(۲) انسان اپنی نیکی ہو یا بدی کچھ آپ ہی خوب سمجھتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ من آنم کہ من دانم۔ اگر اس معیار سے ہم حضرت مسیح کی زندگی کو جانچیں اور اُن کے اپنے ضمیر کے حق میں خود اُنکی گواہی سنیں تو یہ مسئلہ بالکل حل ہو جاتا ہے۔ "اُنکو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار تو ہے" (متی ۹ ۶) مگر اپنی نسبت وہ اپنے دشمنوں کو علانیہ تحدی کرتے ہیں "کون تم میں سے مجھپر گناہ ثابت کر سکتا ہے" (یوحنا ۸ ۴۶) وہ صم وبکم رہ گئے تو خود فرمایا "میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو خدا کو پسند آتے ہیں" (یوحنا ۸ ۲۹) "میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں" (یوحنا ۵ ۳۰)+

پھر اپنے رفیقوں کو جو شب و روز آپ کے چشم دید گواہ تھے اُنکی تسلّی کے لئے یاد دلاتے ہیں "میں نے باپ کے حکموں پر عمل کیا اور اُسکی محبت میں قائم رہا" (یوحنا ۱۵ ۱۰)۔ اور دعا میں اپنے خدا کو مخاطب کر کے جو دلوں کے بھید جانتا ہے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ عرض کرتے ہیں "جو کام تو نے مجھکو کرنے کو دیا اسکو تمام کر کے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا" (یوحنا ۱۷ ۴)

پلاطوس کی شہادت

(۳) پلاطوس ایک ایسا حاکم تھا جس کے سامنے تمام رطب و یابس شہادت جو مسیح کے جانی دشمن اسکے خلاف پیدا کر سکتے تھے بڑے شدّ ومد کے ساتھ لائی گئی تھی اور وہ تاکید سے یہودیوں سے پوچھتا رہا تھا "کیوں اُس نے کیا بُرائی کی ہے" (مرقس ۱۵ ۱۴) تو دشمن لاجواب رہے اور جب پلاطوس نے شہادت کو جانچا تو برملا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "میں اس شخص میں کوئی قصور نہیں پاتا" (لوقا ۲۳ ۴)

دشمن جان کی شہادت

(۴) یہودا اسکریوطی جو اپنے گناہ کے لئے طرح طرح کے عذر و حیلہ ڈھونڈھتا تھا اُسکے ضمیر نے بھی اسکو ملزم ٹھیرایا اور زندگی کو ناقابل برداشت بنادیا کیونکہ وہ شب و روز مسیح کے ساتھ رہ چکا تھا اور اپنی آنکھوں سے اُسکی آسمانی زندگی دیکھے ہوئے تھا۔ آخر بڑے صدق دل سے دم واپسین کے ساتھ اُس نے یہ شہادت ادا کی "میں نے گناہ کیا کہ بےخطا کو گرفتار کرایا" (متی ۲۷ باب ۴)۔

اہل عصر کی شہادت

(۵) پھر اُن تمام معاصرین کی شہادت جو مسیح پر ایمان لائے تھے وہ تو ہمیشہ جہان کے سامنے رہی ہے اور ہر زبان کہتی سنی گئی ہے

گر من آلودہ دامنم چہ عجب   ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

"وہ پاک اور بے ریا بے داغ گنہگاروں سے جدا آسمانوں سے بلند کیا گیا" (عبرانی ۷ باب ۲۶)۔

سوم۔ مرزا کے اہم اعتراض۔ سالہا سال مرزا نے مسیح کی مخالفت میں دہریوں اور ملحدوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے واقعات سوانح مسیح میں اپنے

مرزا کے اعتراضات کا خلاصہ

استادوں سے یاد کرلائے ہیں کہ جو اسلام کے معیار سے عصمت حقیقی کے منافی ٹھیر سکتے ہوں۔ آپ بہت بڑے دعوے کے ساتھ لکھتے ہیں "مسیح کی سرگذشت میں گناہ کا اقرار بھی موجود ہے گناہگاروں کی طرح توبہ بھی موجود ہے اور گنہگاروں والے افعال بھی موجود ہیں" صفحہ ۱۱۔ اور اگر ایسا ہے تو پھر مرزا کا دعوے یقینی ثابت ہوچکا مگر ابھی ابھی ہر شخص پر روشن ہوجائیگا کہ یہ بڑا بول اپنے ہر حصے میں ایک دروغ بے فروغ ہے :۔

نیک استاد

پہلے "گناہ کا اقرار" اس کے ثبوت میں لکھتے ہیں "اس مقام میں حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک نے آکے مسیح سے کہا۔ اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اُس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۹-۱۷)۔

آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اسکے معنی بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ مسیح اپنے تئیں گنہگار سمجھتا تھا" صفحہ ۱۰۶۔ مگر اپنے اس لغو قول کو جو شاید محض عیسائیوں کی ضد میں آپ نے کہا تھا مرزا فوراً فراموش کر کے خود ہی ایک دوسرے معنی مسیح کے ان الفاظ کے ہم کو بتلاتے ہیں " آیت کے سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام میں اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکسار دکھلایا اور اُس شخص کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ خدا ہے اور جو کچھ تو مجھ میں نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا جو مسیح نے اُسکو دیا" صفحہ ۱۰۸۔ ہم آپکا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے پہلے قول کو تو باطل کر دیا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ ایک ہی آیت سے دو متضاد معنی کیونکر "صاف ظاہر" ہو گئے تھے۔ آپ کی باطنی آنکھ صاف نہیں ‪۞‬

ہم اب تم کو سمجھا دیں کہ آیت میں مسیح نے "نیک ہونے سے انکار" نہیں کیا۔ بلکہ نیک ہونے کے ایک معنی بتائے جو صرف خدا پر صادق آتے ہیں اور اُس معنی میں نیک ہونے کا انکار کیا ‪۞‬

خدا کس معنی میں نیک ہے؟ اس معنی میں نہیں کہ وہ بیگناہ ہے یا معصوم یعنی گناہوں سے محفوظ کیا گیا۔ کیونکہ خدا کی ذات کے لئے گناہ کا امکان نہیں۔ خدا نیک بالذاتہ ہے اور تمام نیکی کا سرچشمہ ہے اور اسی معنی میں فرمایا "نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا"۔ پس خدائی نیکی کا انکار نہ تو انسانی نیکی کا انکار ہے یعنی اُس نیکی کا جو بندہ کے لئے ممکن ہے اور نہ کسی طرح انسانی گنہگاری کا اقرار۔ کیونکہ نیکی بمعنی عصمت و بیگناہی اسکا تو مسیح کو بڑے زور سے دعوٰی ہے جیسا ابھی ثابت کر آئے۔ آپ نے خاک تحقیق نہیں کی اور آیت کو بالکل نہیں سمجھا اور اس میں انبیا کے استغفار کی نظیر عبث تلاش کرنا چاہی ‪۞‬

۱؎ یہودیوں میں استادوں اور بزرگوں کو عام طور پر نیک کہتے تھے جیسے اس ملک میں لفظ نیک اور بھلا مانس کہتے ہیں۔ خداوند مسیح نے انکی غلط عامی کی اصلاح کی کہ بلا سوچے سمجھے کسی کو نیک نہ کہو حقیقی طور پر خدا ہی نیک ہو سکتا ہے اگر تم مجھ کو الٰہی مرتبہ میں سمجھتے ہو تو یہ خطاب درست ہے اور اگر محض انسان سمجھ کر کہتے ہو تو یہ درست نہیں۔ (اڈیٹر)۔

اور پھر اگر اس قول کی وہ قرأت قبول کی جائے جس کو ٹشنڈارف نے مانا ہے یعنی "و نیکی کی بابت مجھ سے کیوں پوچھتا ہے" جو سائل کے سوال کے ساتھ "میں کون نیکی کروں" مطابق ہے تو ایسے تمام وہموں کا ازالہ ہو جاتا ہے جو بے شعوری یا نافہمی سے پیدا ہو سکیں پس اب مسیح کے اقرار گناہ پر آپ کے ہاتھ میں کون سی دستاویز باقی رہ گئی ؟

توبہ کا اصطباغ دوسری "گنہگاروں کی طرح توبہ" مسیح نے یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کا اصطباغ لیا جس میں اعتراف گناہ کا ہے۔ پس اصطباغ کیا لیا گویا گنہگار ہونے پر مہر لگا دی" "اگر یسوع معصوم تھا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہو کہ میں گنہگار ہوں" ص ۱۰۹ "اناجیلیں کہتی ہیں کہ اُسے بپتسمہ ملا اور اُس نے تمام رسم کو ادا کیا جس کا بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا۔ اِس کے بعد یعنی رسم قرار دیا گویا یہ کہتا ہے کہ جب اُس نے گناہوں کا اقرار کیا تو وہ کتنا کچھ تھا اور اُس کے دل میں کچھ تھا" "لوقا نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ یسوع نے بھی دیگر یہودیوں کی طرح بپتسمہ پایا اور دوسرے گنہگاروں کی طرح ضرور اپنے گناہوں کا اقرار بھی کیا" "اور یسوع پر روح القدس نازل نہ ہوئی جب تک اُس نے یوحنا کے سامنے عجز ظاہر نہ کیا اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اُس کے ہاتھ پر توبہ نہ کی" ص ۵۰۶۔۵۰۷

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی خدا اور اُس کے بندوں سے شرم چھوڑ دے تو یہ سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ مرزا بتلا سکتے کہ کہاں "لوقا صاف طور پر بیان کرتا ہے" اور کہاں اناجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح نے "توبہ کا اصطباغ لیا" "یوحنا کے ہاتھ پر توبہ کی"۔ "اپنے گناہوں کا اقرار کیا" اور پھر "دوسرے گناہگاروں کی طرح" اور "ضرور" + کیا اس نے سمجھا تھا کہ "اناجیلیں" صرف قادیان میں مقفل رکھی ہیں ؟

مسیح کے اصطباغ کی نوعیت سچ صرف اسی قدر ہے کہ مسیح نے یوحنا سے اصطباغ لیا۔

مگر نہ توبہ کا اصطباغ اور نہ اس نے ہرگز گناہوں کا اقرار کیا نہ کوئی توبہ کی اور نہ وہ یہ کر سکتا تھا
توبہ کے اصطباغ کا "بڑا حصہ گناہوں کا اقرار تھا"۔ اور ان تمام لوگوں نے جنہوں نے یوحنا
کے ہاتھ پر توبہ کا اصطباغ لیا۔ صاف صاف لکھا ہے کہ فرداً فرداً ان سب نے اپنے
گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا" متی ۳/۶ مگر مسیح کی نسبت
اور تو سب کچھ لکھا ہے کہ یوحنا کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں بپتسمہ سے پہلے کیا گذرا اور پیچھے
کیا گذرا مگر ایک لفظ بھی چاروں انجیلوں میں کہیں نہیں آیا جو اس پر دال ہو کہ اس نے
بھی گناہوں کا اقرار کیا یا توبہ کی۔ بھلا کیونکر ہو سکتا تھا کہ اگر مسیح نے "توبہ کا اصطباغ کیا
ہوتا تو اور سب کچھ بیان ہو جاتا مگر اس کا "بڑا حصہ گناہوں کا اقرار" ہی متروک کیا جاتا؟
بلکہ حق یہ ہے کہ بجائے گناہوں کا اقرار کرنے کے اسی جگہ بڑی صفائی سے مسیح نے اپنی بیگناہی
و نیک کرداری کا اقرار کیا "ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنی مناسب ہے"۔
متی ۳/۱۵ یعنی مسیح راستبازی کی میزان کل کو پورا کرنے کا وعدہ دار ہوا۔ اور اس سے زیادہ اور
کیا درکار ہے؟ پھر اسکے بپتسمہ دینے والے کو بھی اسکی بیگناہی و عصمت بسروچشم تسلیم ہے۔

یحییٰ کی گواہی

دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا "دیکھو یہ خدا کا برہ
دنیا کے گناہ اٹھائے جاتا ہے" یوحنا ۱/۲۹ یعنی مسیح اہل جہان کے گناہوں کا دور کرنے والا اور
مرض عصیاں کا حاذق طبیب ہے اب اس سے زیادہ زوردار اور کون سے الفاظ
انسان لا سکتا ہے؟

عیسےٰ کی فضیلت یحییٰ پر

پھر نہ یہ بھی سچ ہے کہ مسیح یوحنا کی خدمت میں ایک ذلت کے ساتھ حاضر
ہوا اور نہ انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوحنا یسوع کا روحانی باپ
بننے کے لائق تھا۔ حضرت کیا پیر قادیاں کے لئے جھوٹ بولنا منصبی فرض ہے؟ کیونکہ انجیل
میں تو لکھا ہے کہ جب یوحنا اوروں کو توبہ کا بپتسمہ دیتا تھا تو مسیح کی طرف بڑے ادب سے
اشارہ کر کے کہتا تھا "میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد

آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے میں اُس کی جوتیاں اٹھانے کے بھی لائق نہیں۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا" متی ۳ باب ۱۱ و ۱۲ لوقا ۳ باب اور جب مسیح اُس سے بپتسمہ لینے پر مستعد ہوئے تو یوحنا یہ کہکر اُسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ اب تو ہونے دے کیونکہ ہمیں اسی طرح ساری راستبازی پوری کرنا مناسب ہے۔ اِس پر اُس نے ہونے دیا۔" اور جب مسیح بپتسمہ لیکر پانی کے باہر آئے تو روح القدس اُن پر نازل ہوئی اور آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"۔ اور دیکھو یہ الہی شہادت مسیح کی معصومیت پر تھی اور یہی تو مسیح فرماتے تھے "میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو باپ کو پسند آتے ہیں"۔

مسیح کی کامل راستبازی

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم مرزا یوں فرماتے ہیں" اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت وہ اپنی راستبازی کو ناقص خیال کرتا تھا" ص ۵۰۔ اب انکو کون سمجھائے کہ ناقص راستبازی اُسی کو کہہ سکتے ہیں جس میں راستبازی کا کچھ خلاف مل جائے۔ ایسی راستبازی کا خلاف تم نے کس چیز کو قرار دیا۔ جسطرح انسان کی عمر برسوں مہینوں دنوں اور لمحوں کا سلسلہ و مجموعہ ہے کوئی شخص اپنی ساری عمر پیش از وقت بسر نہیں کرسکتا اسی طرح راستبازی ایک ہیئت کل ہے جو زمان و مکان کی قیود سے آزاد نہیں جس کے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب تک اُس کی کسی کڑی میں ناراستبازی نہ مل جائے اُسکو ناقص نہیں کہہ سکتے۔ مسیح فرماتے ہیں میں راستبازی کی زنجیر میں ایک ایک کڑی جوڑ کر اُس کو پورا کرتا جاتا ہوں۔ اور بپتسمہ بھی انہی میں شمار کرتے ہیں جو صرف اپنے وقت پر پورا ہو سکتا تھا۔ پس کسی نوبت میں انکی راستبازی ناقص نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر لمحہ کے مناسب اپنا کل فرض ادا کرتے ہیں اور انکی زندگی کی نوبت ایسی نہیں جس سے سوائے راستبازی کے انہوں نے کچھ اور کیا ہو۔ اور راستبازی کا کمال یہی ہے۔

عصمت کے لئے اسی قدر لازم ہے۔ مگر افسوس مرزا کچھ نہیں سمجھتے نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

یحییٰ مسیح کے مرشد نہیں

مرزا نہایت ہی بے بصری کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ "یوحنا کی روحانی طاقت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جونہی یسوع نے اُس کے پاس توبہ کی اُسی وقت روح القدس کا انعام اسکو بخشا گیا" ص ۵۰۔ ہر شخص جو ذوی العقول میں شمار ہو سکتا ہے سمجھ لیگا کہ یوحنا کی روحانی طاقت جو کچھ بھی وہ تو ہمیشہ بڑھتی رہی اور ایک خاطئ نے اس کے پاس توبہ کی۔ پھر کیوں یوحنا کے تصرف سے کسی اور کو روح القدس کا یہ انعام عطا نہ ہوا

مسیح مسجودِ یحییٰ

انجیل سے تو ثابت ہو چکا کہ یوحنا ہمیشہ حضرت مسیح کی فضیلت تسلیم کرتے رہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ یحییٰ کی شان میں وارد ہے مصدقاً بکلمۃ من اللہ (آل عمران ع ۴) اور اسکی تفسیر میں کہا گیا ہے "کلمۃ اللہ سے مراد اس جگہ عیسےٰ بن مریم ہیں۔ ربیع بن انس نے کہا سب سے پہلے جس نے عیسےٰ بن مریم کی تصدیق کی یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ قتادہ نے کہا یحییٰ سنت و منہاج عیسےٰ پر تھے۔ ابن عباس نے کہا یحییٰ برادر خالہ زاد تھے والدہ یحییٰ مریم سے کہتی تھیں جو بچہ میرے پیٹ میں ہے وہ سجدہ کرتا ہے اُسکو جو تیرے پیٹ میں ہے" (ترجمان القرآن - نواب صدیق حسن خان و تفسیر بیضاوی)۔ بھلا جو شخص شکم مادر سے مسیح کے سامنے سر بسجود رہے اُسے مرزا ہی سا شخص مسیح کا روحانی باپ و مرشد وغیرہ کہہ سکتا ہے۔

مسیح کو اصطباغ کی ضرورت

مرزا کا یہ سوال تھا کہ "اگر مسیح معصوم تھا تو اُسے توبہ کی کیا ضرورت تھی؟" اُسکا جواب ہم دے چکے کہ نہ اُس کو توبہ کی ضرورت تھی اور نہ اُس نے توبہ کی پس اب صرف یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مسیح کو یوحنا کے ہاتھ پر بپتسمہ کی کیا ضرورت تھی؟ اور اسکا جواب انجیل یہ دیتی ہے کہ بپتسمہ کی ضرورت مسیح کو اپنی ذات کے لئے لاحق نہیں ہوئی تھی بلکہ خود یوحنا اور اُس کے شاگرد اور عموماً بنی اسرائیل کے فائدے کے لئے مسیح کو بپتسمہ لینا پڑا۔ یوحنا خود فرماتے ہیں "میں تو اُسے پہچانتا نہ تھا مگر اس لئے پانی

بپتسمہ دیتا آیا کہ وہ اسرائیل پر ظاہر ہو جاوے" "میں تو اُسے نہ پہچانتا تھا مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اُس نے مجھ سے یہ کہا کہ جس پر تو روح اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے" یوحنا ۱ باب ۳۱ و ۳۳ ۔

پس معلوم ہو گیا کہ مسیح پر نزول روح القدس مطلق یوحنا کے تصرف سے نہ تھا۔ اور اُس نے صرف اس لئے بپتسمہ لیا کہ وہ یوحنا پر اور اسرائیل پر ظاہر ہو جائے۔ پس اس کو توبہ کے معنی پہنانا آپ کی زبردستی ہے ہم نے اس جگہ مسیح کی عصمت پر خود مسیح کا دعوے سنا دیا یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت سنادی اور آسمانی گواہی بھی سنادی جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔

مقسم ہیں "گنہگاروں والے افعال" مرزا کہتے ہیں "انجیل لوقا باب کی ۳۳ و ۳۴ آیات میں یسوع نے صاف صاف اپنی شراب خوری کا اقرار کیا ہے۔۔۔۔ اس موقع پر یہ کہنا کہ ہاں اگرچہ یسوع شراب پیا کرتا تھا لیکن اسکا پینا اعتدال کی حد تک تھا محض ایک دعوے بے دلیل ہے۔۔۔ یہودیوں نے اُسے مے خوار یعنی شرابی کہا لیکن اُس نے بجائے اپنی بریت ظاہر کرنے کے ملزم ہونا پسند کیا" ص ۳۰۸ ۔

لب لباب اس تقریر کا یہ ہوا کہ انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح کا شراب کا استعمال حد اعتدال سے بڑھا ہوا تھا شراب خواری و بدمستی میں داخل تھا۔ یہ ایک ایسا لغو بلکہ بیہودہ دعوے ہے کہ مرزا ایک شوشہ انجیل کا ثبوت میں پیش نہیں کر سکتا۔

جواز مے ۱۔ فقہ اسلام کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ شراب صرف اسلام میں اور وہ بھی پیغمبر اسلام کے اواخر عہد میں حرام ہوئی۔ اسلام کے اوائل میں بھی شراب حرام نہ تھی جلیل القدر صحابہ نہ صرف شراب پیتے بلکہ بڑی بے اعتدالی کے ساتھ پیتے تھے۔ حمزہ حضرت کے چچا شراب میں بدمست ہو رہے تھے اور حضرت علی مخمور ہو کر نماز میں بہکتے تھے بلکہ قرآن میں آیت ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکراً ورزقاً حسناً ان فی ذلک لآیۃ لقوم یعقلون (نحل ع ۹) شراب خرما و انگور کی تعریف میں وارد ہوئی۔

اور امام رازی کا تو یہ خیال ہے کہ حضرت آدم نے شاید شراب کے نشے میں شجرہ ممنوعہ کھالیا تھا اور کہتے ہیں کہ "یہ امر خلاف قیاس نہیں کیونکہ انکو جنت کی تمام چیزیں حلال کی گئی تھیں سوائے ایک درخت کے۔ پس اگر یہ درخت گیہوں کا درخت تھا تو انکو شراب پینے کی بھی اجازت تھی" (تفسیر فازلہما الشیطان عنہا سورہ بقر) پس کسی مسلمان کو حق نہیں کہ مومنین شرائع سابقہ کو محض استعمال شراب کے باعث ملزم ٹھیرائے +

یہود کا الزام ۲۔ مرزائے "خود اعتدال کی حد تک پینے میں" اور "شراب خوری" میں تمیز کی ہے۔ وہ صرف حضرت مسیح کے حق میں اعتدال کو روا نہ رکھ کر جھوٹ بولتے ہیں کہ "یسوع نے صاف صاف اپنی شراب خواری کا اقرار کیا" اور انجیل لوقا کا حوالہ دیتے ہیں:-

انجیل میں لکھا ہے "اس زمانہ کے آدمیوں کو میں کس سے تشبیہ دوں۔ وہ کس کی مانند ہیں؟ ان لڑکوں کی مانند ہیں جو بازار میں بیٹھتے ہیں . . . . . یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا نہ مے پیتا ہوا اور تم کہتے ہو کہ اس پر بدروح ہے۔ ابن آدم کھاتا پیتا ہوا آیا اور تم کہتے ہو دیکھو کھاؤ اور شرابی محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار لیکن حکمت اپنے سب لڑکوں کی طرف سے راست ثابت ہوئی" لوقا ۷ باب ۳۱ تا ۳۵ +

حضرت یحییٰ کی روزہ داری اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یوحنا آبادی سے کنارہ کش ہو کر یہودیہ کے بیابان میں جا رہے تھے "اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنتے" اور آپ کی خوراک "ٹڈی و جنگلی شہد تھی" متی ۳ باب ۴۔ نہ آپ شہر میں آتے نہ معمولی پوشاک پہنتے نہ روٹی وغیرہ عام غذا کھاتے۔ اور اس میں بھی حکمت الٰہی تھی۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح شہروں دیہاتوں میں جا بجا منادی کرتے کھانا پینا جو اور لوگ استعمال کرتے آپ بھی کھاتے پیتے تھے۔ لوگوں کی صحبت سے آپ نفور نہ تھے۔ تمام دنیا کے گنہگاروں کے ماوا و ملجا تھے۔ ان سے ملتے جلتے اور انکو راہ خدا کی ہدایت کرتے اور اگر کوئی منکر اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ "تندرستوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو" یعنی انبیا کی بعثت کا مقصود گنہگار ہیں نہ کہ

راستبازی - اور اس کُل روش میں بھی حکمت الٰہی مخفی تھی ؛

منکر جو تھے وہ کسی کو نہیں مانتے تھے حضرت یوحنا کی تحقیر میں اُنکو دیوانہ کہتے تھے کہ اس پر تو بدرُوح ہے جو بیابانوں میں مارا مارا پھراتی اور خوراک و پوشاک سے محروم کراتی ہے - اور وہ حضرت مسیح کی بھی توہین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کھاؤ اور شرابی ہے جس کو گنہگار لوگ گھیرے پھرتے ہیں - حضرت مسیحؑ کس صفائی سے اِن دونوں الزاموں کی تردید فرماتے ہیں کہ منکروں کے الزام یوحناؑ پر اور مجھ پر محض طفلانہ ہیں - وہ یوحناؑ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور میری شان میں بھی - اصلی حقیقت صاحبان حکمت پر روشن ہے نہ یوحنا پر بدرُوح ہے اور نہ میں کھاؤ یا شرابی ہوں ؛

مسیح کی غذا ۳ جس شخص نے انجیل کو پڑھا ہے اُسے معلوم ہوگا کہ جسمانی غذا کی مسیح کے پاس کس قدر قلت تھی سو وہ اکثر بھوکے رہتے تھے گو ہزاروں کو معجزانہ طور سے سیر کیا - آپ کا مقولہ تھا " آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے مُنہ سے نکلتی ہے " متی ۴/۴ " میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اُسکے کام کو پورا کروں " یوحنا ۴/۳۴ - پس ایسے شخص کی نسبت یہودیوں کی سند پر آپ کا یہ کہنا کہ " وہ تمام عمر شراب کے مرتکب رہے " سوائے معصیت کے اَور کچھ نہیں ہے - جب آپ نے اتنا بڑا دعوے کیا تھا تو لوگ یہ سمجھے تھے کہ آپ انجیل سے یہ ثابت کردینگے کہ کبھی کسی نے مسیح کو مخمور پایا یا شراب کے نشے میں متوالا دیکھا - پس شراب خوری کا الزام مسیح پر وہی لگا سکیگا جس نے بدبشیری کا آسرا کر لیا ہوا اور یہودیوں کے ہاتھ بک چکا ہو - سچ صرف اسی قدر ہے کہ آپکو مے کے استعمال سے قطعی انکار نہ تھا - آپ کبھی کبھی اسکا استعمال کرتے تھے اور وہ مے بھی " انگور کا رس " تھا متی ۲۶/۲۹ ؛

۴ قانائے گلیل کا معجزہ - مرزا کہتے ہیں " یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب میں یہ واقعہ مندرج ہے - معلوم ہوتا ہے کہ دُلھا نے براتیوں کے لئے شراب کافی

مہیّا کی تھی۔ لیکن جب ذخیرہ ختم ہو گیا تو مخمور جماعت نے شراب کے لئے شور مچایا۔ یسوعؑ نے جو معہ شاگردوں کے اس جماعت میں شامل تھا اس موقعہ کو غنیمت جان کر پانی کے چھ مٹکوں (کل ۱۶۲ گیلن) کی اعلےٰ شراب بنا ڈالی۔ اور اس طریقہ سے تمام براتیوں کو بذات خود شراب بنا کر مخمور کیا … لوگ پیشتر ہی مخمور تھے۔ جبکہ یسوع نے بڑی فیاضی سے ۱۶۲ گیلن شراب جو اکیلی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے مکتفی تھی اور ان کے لئے مہیا کر دی" صت۲۸ ؛

(ا) یہ جھوٹ ہے کہ "دولہا نے براتیوں کے لئے شراب کافی مہیا کی تھی"۔ اگر کافی شراب موجود تھی تو جلسے کے آغاز ہی میں لوگوں کو احتیاج کیونکر لاحق ہوئی اور کیوں کہا جاتا کہ "ان کے پاس مے نہیں رہی"۔ اِسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شراب مہیّا نہ کی گئی تھی یا ضرورت سے بہت ہی کم مقدار میں تھی اور خیر خواہوں کو منظور نہ تھا کہ دولہا والوں کی براتیوں کے آگے سُبکی ہو۔ اور جب مے شرعاً حرام نہ تھی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مثل دیگر رزقِ حسنا کے مہمانوں کے لئے اگر ممکن ہو بہم نہ پہنچائی جائے۔ اور اس لئے حضرت مسیح نے اپنے میزبان کی ایک مشکل کے وقت میں اپنی اعجازی قدرت سے دستگیری فرمائی ؛

(ب) یہ بھی جھوٹ ہے کہ اِن براتیوں میں کوئی مخمور ہو رہا تھا اگر مخمور کے اصطلاحی معنی بیہوش یا بدمست مراد لئے گئے ہوں۔ مرزا بتا دے اِن میں کون لڑتا تھا یا بہکی باتیں کرتا تھا یا لڑکھڑاتا نشے میں چُور تھا؟

میر مجلس کا دولہا سے یہ کہنا کہ "ہر شخص پہلے اچھی مے پیش کرتا ہے اور ناقص اُس وقت جب پی کر نشے میں آ گئے مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی"۔ اول تو ایک ظریفانہ فقرہ تھا جس سے منطق اخذ کرنا آپ کی خوش فہمی ہے۔ دوم یہ ایک مثل تھی جس سے حاضرین مجلس کی کیفیت بیان کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف سوال تھا کہ اگر ایسی مے تمہارے پاس موجود تھی تو خلاف قاعدہ اب تک کیوں براتیوں کو نہ دی؟

(ج) "۱۶۲ گیلن شراب جو اکیلی تمام جماعت کے مخمور کرنے کے لئے مکتفی تھی"۔ مرزا صاحب

کا شراب کا پیمانہ درست ہی سہی تو بھی ۱۶۲ گیلن کو تمام جماعت کے مخمور کرنے کو کافی کہنا غلط ہوتا ہے "مخمور کرنے کے لئے مکتفی ہونا دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول جماعت کی تعداد پر۔ اور مرزا کو نہیں معلوم کہ اس برات میں کتنے پینے والے موجود تھے اور فی کس کے کے پائنٹ پڑی۔ مگر ہم کو خوب معلوم ہے کہ باوجود چھ مٹکوں کے اس برات میں ایک شخص بھی نشے میں نہ تھا اور ہمارے قیاس کے خلاف مرزا ایک لفظ بھی انجیل شریف کا نہیں لا سکتا۔ دوم قسم شراب پر۔ انگوری شرابوں میں ایک پورٹ ہے جس کی بہت بڑی مقدار میں بھی بہت کم نشہ ہوتا ہے پس یہ مرزا کا فرض ہے کہ وہ ثابت کرے کہ جو شراب ان براتیوں کو پلائی گئی وہ بڑی نشیلی شراب تھی۔ اور جب اس تمام جماعت میں کوئی ایک شخص بھی نشے میں نہیں ملتا تو تمہارا یہ کہنا کہ مسیح نے تمام براتیوں کو "مخمور کیا" یا جیسا کہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتے ہو "غضب کا مخمور کیا" (ص ۳۰۲) کیسے بڑے غضب کا جھوٹ ہے ؛

(۵) بلکہ جو شراب مسیح نے معجزے سے پیدا کی اُسکو اس قسم کی شراب تصور کرنا جو کلوا اصحابیوں میں رشید کرتے ہیں انتہا درجہ کی گستاخی ہے۔ جس طرح موافق شہادت قرآن کے حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کو معجزہ نزول مائدہ میں آسمانی خوراک کھلوائی۔ اسی طرح اس معجزے میں انہوں نے اپنے رفیقوں کو آسمانی شراب پلائی جس کے مسلمان جنت میں امیدوار ہیں۔ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا یعنی بہشت کا کھانا پینا انہوں نے اپنے لوگوں کو اسی دنیا میں چکھا دیا۔ اور اسی لئے اس معجزہ کے حال کے بعد لکھا ہے کہ "یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھلا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اُسکے شاگرد اُس پر ایمان لائے" بہت خوب کہا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ مگر ہم اُنکو کیسے سمجھائیں جن کی یہ تعریف ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ؛

شراباً طہوراً

(۶) مرزا نے عشائے ربانی پر بھی اعتراض کیا ہے۔ کہتا ہے "عشائے ربانی سے مسیح نے شراب خوری کو دین کی جز ٹھیرایا" ص ۱۱۲ ؛

شرابی گنہگار

اور منجملہ مرزا کی دروغگوئی کے یہ بھی ہے۔ "ہر شخص جسنے شراب کا استعمال کیا شرابی یا شراب خوار کہلاتا ہے۔ یہ لفظ اصطلاحاً درست پر بولے جاتے ہیں۔ عیسائی دین نے شراب کو اس معنی میں تو حرام نہیں کیا کہ اگر ایک قطرہ زبان پر یا ایک گھونٹ حلق کے نیچے اُتر جائے تو آدمی گنہگار ہو جائے۔ مگر انسانی فعل کو ضرور حرام ٹھیرایا یعنی جسطرح ہر چیز کا ناجائز دغیر مناسب استعمال انسان کو گنہگار کرتا ہے اُسی طرح شراب کا بھی۔ گو شراب کو حرام نہیں بتلایا مگر شراب خواری و بدمستی کو ضرور حرام بتلایا۔ یہ فتوے عیسائی دین کا ہے "شراب پی کر متوالے نہ ہو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے" افسی ۵ باب ۱۸ "مے خوری اور نشہ بازی کو شہوت پرستیوں اور مکروہ بُت پرستیوں" کی جنس میں شمار کیا (۱۔ پطرس ۴ باب ۳) اور حکم دے دیا کہ "شرابی" بھی کلیسیا سے خارج کر دیا جائے "جس کے ساتھ کھانا کھانا بھی" روا نہیں۔ (۱۔ قرنتی ۵ باب ۱۱) حتے کہ اُسکو بُت پرست زناکار عیاش" کے ہم پلہ قرار دے کر کہدیا کہ وہ بھی "خدا کی بادشاہت کا وارث نہ ہوگا" (۱۔ قرنتی ۶ باب ۱۰)۔ مگر مرزا کی جہالت وجرأت قابل داد ہے کہ وہ اپنے انگریزی رسالے میں لکھتا ہے "عیسائی صحف مقدسہ میں کوئی ایک آیت بھی نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ شراب خوری سے کوئی گنہگار اللہ کی ناراضگی اور غضب کا مورد ہوتا ہے" (نمبر ۳ صفحہ ۱۷ اور ۱۸)۔

عشائے ربانی کی حقیقت

عشائے ربانی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح نے جو اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری کھانا کھایا تھا جس میں "روٹی" اور "انگور کا رس" بھی تھا (دیوتا ۲۲ باب ۱۴ تا ۲۳) اُسی کی یادگاری میں عیسائی اپنی عبادت گاہوں میں جا کر ایک ہی طشت سے اور ایک ہی پیالہ سے سب ملکر تبرکاً ایک ایک ٹکڑا روٹی اور ایک ایک گھونٹ انگور کا رس جس میں پانی ملا ہوتا ہے۔ پیتے ہیں اور اُسی کی طرف قرآن میں شاید اشارہ ہے تکون لنا عِیداً الاوّلِنا و آخِرِنا کہ وہ دن عید رہے ہمارے پہلوں اور پچھلوں کو۔ اس رسم میں شریک ہونے والے بھی روزہ دار ہوتے ہیں اور یہ عبادت کا ایک جزو ہے جس وقت

لوگوں کے دل اپنے شفیع کی موت کی یاد سے بھرے ہوتے ہیں۔

شیرۂ انگور سے یاد آگیا خونِ شفیع
توڑی جب روٹی مسیحا کا بدن یاد آگیا

پس اسکو شراب خواری کہنا سراسر خباثت ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس قسم کی شراب حضرت مسیح نے کبھی استعمال کی وہ "انگور کا رس" یعنی ایک قسم کا نبیذ تھا جو نشے کے طور پر نہیں بلکہ شربت کے طور پر پیا جاتا تھا کیونکہ انگور کی اُس ملک میں افراط تھی؛

چہارم۔ مرزا کے اعتراضوں کا جواب ۔ یہ تو ہم پہلے ہی دکھا چکے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم مسیح کی عصمت پر کیا ہے کہ انجیل شریف اِس بارے میں کیا گواہی دیتی ہے اور کہ مرزا کا دعوے کہ مسیح نے اقرار گناہ کیا۔ گنہگاروں کی طرح توبہ کی اور گنہگاروں والے افعال کئے کیسا شرمناک اور جھوٹا تھا۔ اور ہم کو اب کچھ ضرورت نہیں رہی تھی کہ ہم اُسکے اور خرافات اقوال کی تردید کرتے مگر اتمام حجّت کے لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ لگے ہاتھوں اسکے دوسرے اعتراضوں کی بھی جانچ کر کے مرزا کو اُسکے مکان کے دروازے تک پہنچائیں۔ اور ناظرین پر یہ بات روشن کر دیں کہ یہ شخص اپنے اِس قول میں بھی کہ "میں شریر النفسوں کی طرح خواہ مخواہ کی رعایت نہیں کرتا اور نہ کسی خدا کے مقدس اور راستباز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہوں" صرہ۱ سچا نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ مرزا نے ان اعتراضوں میں لغویت اور بیہودگی کو انتہا تک پہنچا دیا اور اس میدان میں "شریر النفسوں" سے گوئے سبقت لے گیا۔ اس طوالت کو ہم اس لئے گوارا کرتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں عموماً ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ان اعتراضوں کو جو بظاہر حمایت اسلام کے پردے میں کئے گئے سنا تو مگر اُنکی جانچ کرنے کا اُنکو کبھی موقع نہیں ملا۔ اور اس سے عیسائیوں کو بھی معلوم ہو جائیگا کہ انکا یہ مخالف کس مادہ اور طبیعت کا شخص ہے جتے کہ اُس سے ہمکلام ہونا بھی ایک عار کی بات ہوگی؛

نقل کفر مرزا لکھتا ہے اور ہم اس نقلِ کفر کے لئے معافی چاہتے ہیں۔

"اناجیل میں مسیح کے کئی ایک دیگر اقوال و افعال دیکھے جاتے ہیں جن سے اس کی معصومیت بالکل ملیا میٹ ہو جاتی ہے ..... باوجود جوان اور مجرد ہونے کے اس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے بھی جو ہمیشہ اس کے پاس رہتی تھیں۔ بلکہ ایک جگہ وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے (متی ۲۱/۳۱) اس نے ایک کنجنی سے عطر ملوایا جو اس کی حرامکاری کی کمائی تھی۔ اور ارادتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی (لوقا ۷/۳۸)۔ وہ اپنے والدین کی بے ادبی کرتا تھا اور اپنی ماں کی اس نے بے ادبی کی (متی ۱۲/۴۸) جو شریعت موسوی کے مطابق سخت گناہ ہے۔ اس نے ایک بیگناہ شخص کے جس نے اسے کچھ نقصان نہ پہنچایا تھا قریباً دو ہزار سؤروں کو تلف کر دیا (مرقس ۵/۱۳)۔ اس نے اپنی حاضری میں اپنے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی اور جس واقعہ پر تینوں معتبر اناجیل متفق ہیں (متی ۱۲/۱ مرقس ۲/۲۳ لوقا ۶/۱)۔ اس نے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت نامناسب حملے انکی عزت پر کئے جیسا آگے بیان ہوگا۔ اس نے تمام انبیاء اور اولیا کو جو اس سے پیشتر گذر چکے تھے چور اور بٹمار کہا (یوحنا ۱۰/۸)۔ اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اسکی تمام تعلیم انہیں سے چرائی ہوئی ہے۔ اس نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی جب کہ اسے یقین تھا کہ اس کی موت ٹل نہیں سکتی۔ اس نے اس چور سے وعدہ خلافی کی جو اسکے ساتھ صلیب پر لٹکایا گیا تھا (متی ۲۷/۴۴) سے ظاہر ہے کہ یسوع نے چور کو کہا "آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔ لیکن یسوع خود تین دن دوزخ میں رہا اور یہ بھی مشکوک امر ہے کہ آیا وہ چور کو بھی ساتھ دوزخ میں لے گیا یا نہیں۔ بہشت میں جانے سے تو وہ ناکام رہا۔ پس کم سے کم اسے مناسب تھا کہ اس چور کو دوزخ ہی میں لے جاتا (ضـ ۵۰۸-۵۰۹)

یہ نرالی قافیہ مرزا جی کی (جو بقول خود مسلمانوں کے مہدی مسعود ہیں) معارف شناسی حق پسندی اور راست گوئی کا عمدہ نمونہ ہے اور ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) روح اللہ کے ساتھ مرزا کی عداوت حد کو پہنچ گئی "خدا کے مقدس اور راستباز

پر بیہودہ حملہ تو در کنار۔ یہاں تو اُسنے دل کھول کر گالیاں دی ہیں۔ جسکے لئے کسی سند کے حوالہ کا بھی اُسکو بہانہ نہیں رہا :

مرزا گالی دیتا ہے

ناظرین اِس کفر کو دیکھیں "اُس کی آشنائی بعض بدکار عورتوں سے تھی" نہ یہ انجیل مقدس کا کوئی اقتباس ہے نہ اسکے لئے کوئی سند قرآن وحدیث کی ہے۔ یہ گالی ہے جسکا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتا ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْن۔ اور قرآن میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے پاکدامنوں اور پارساؤں پر عیب لگایا۔ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْم۔ تو ان پر دنیا اور آخرۃ میں لعنت پڑچکی اور اُنکے لئے سخت عذاب تیار ہے۔ اور دنیا کی لعنت تو ڈنکے کی چوٹ پر ہورہی ہے اور آوازۂ خلق نقارہ خدا ہے :

ایک اور بہتان

(۲) "وہ بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے" اور ہم کو اس کے لئے متی ۳۱ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سرداروں کو جو حضرت یحییٰ کے منکر ہوئے تھے تنبیہاً فرمایا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ محصول لینے والے اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ یوحنا راست بازی کی راہ سے تمہارے پاس آیا اور تم اُس پر ایمان نہ لائے۔ مگر محصول لینے والے اور کسبیوں کو ایمان ہوا۔ اور تم یہ دیکھ کر پیچھے بھی نہ پچھتائے کہ اِس پر ایمان لاتے" اب تم ہی شرم کرکے بتاؤ کہ یہ بدکار عورتوں کی تعریف ہے یا ایماندار عورتوں کی تعریف ہے۔ جنہوں نے خدا کے پیغمبر پر ایمان لانے میں رؤسا یہود پر سبقت کی اور جو اس کے ہاتھ پر اپنی بدکاری سے توبہ کرکے جنت کی وارث ہوگئیں :

مرزا کی خباثت

(۳) ناظرین کو چاہئے کہ اِس واقعہ کو انجیل لوقا باب ۷ آیت ۳۶ سے ۵۰ تک پڑھیں اور مرزا کی خباثت کو دیکھیں۔ یہودیوں کے کسی سردار نے حضرت مسیح کی دعوت کی تھی۔ ایک گنہگار عورت جو اُس شہر کی تھی یہ جانکر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے

بیٹھا ہے سنگ مرمر کی ڈبیا میں عطر لائی اور اُسکے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہوکر اُسکے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی۔ اور اپنے سر کے بالوں سے پونچھے اور اُسکے پاؤں بہت چومے اور اُن پر عطر ڈالا ۔ حضرت مسیح نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا اس عورت کے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے اور اس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف ہوئے ..... تیرے ایمان نے تجھے اچھا کر دیا۔ سلامت چلی جا۔"

ایک گنہگار عورت جسکو خشک زاہد ہمیشہ دُور کارتے رہے مگر جو خود اپنے گناہوں سے نادم تھی۔

گنہگار اندیشہ ناک از خدا — بہ از پارسائے عبادت نما

اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرکے اور اپنی پچھلی خراب خستہ حالت پر روتی ہوئی نجات کی تلاش میں خدا کے رسول اور کلمہ کی زیارت کرنے کو شوق اور صدق دل سے حاضر ہوئی اور فرط محبت سے اُس کے قدموں پر گری اور عاجزی کے ساتھ اپنے تئیں ذلیل کیا اور اپنے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سُنکر اور مرض گناہ سے شفائے کلی حاصل کرکے اور بہت بڑے ایمانداروں میں شمار ہوکر اپنے گھر واپس گئی۔ اس کی نسبت ایسی شیطنت کے کلمات زبان سے نکالنا کہ "ارادتاً اس عورت کو اپنے جسم سے جسم لگانے کی اجازت دی"۔ یہ صرف وہی کہ سکتا ہے جس کے دل سے ایمان و عرفان ملیامیٹ ہو چکا ہو:

یہ عورت جو کلمتہ اللہ کی خدمت میں کھڑی ہے اُس وقت سے مومنہ ہو چکی تھی جب اُس نے توبہ کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کیا تھا۔ اور اخلاص اور عقیدت کے افعال جو بے اختیاری اور بیخودی کی حالت میں اس عورت سے (جس کو ابھی نئی نئی دولتِ ایمان حاصل ہوگئی تھی)، ایک مجمع عام میں سرزد ہوئے فی الواقع ایسے نہ تھے کہ خدا کا رسول جو گنہگاروں اور بدکرداروں کو تقرب الہٰی حاصل کرانے اس جہان میں آیا تھا انکے لئے اُسکو سرزنش کرکے اُسکی دلشکنی روا رکھتا۔ پھر اسکا کیا ثبوت ہے کہ وہ عطر حرامکاری

کی کمائی تھی؟ اور کب مسیح اُسکو اپنے تصرف میں لائے؟ یہ عورت کا اپنا فعل تھا کہ اُس نے آپ کے قدموں پر اس عطر کو ڈالدیا۔ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ اسوقت جب یہ عورت خداوند مسیح کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی وہ ایک ایماندار اور تائب عورت ہو چکی تھی لقد تابت توبۃً لو قسمت بین اُمۃ لوسعتھم جسنے ایسی توبہ کی تھی کہ اگر ایک امت کے درمیان تقسیم کیجاتی تو وہ توبہ سب کو کفایت کرتی۔ غرضیکہ یہ جو کچھ تھا عورت کا اپنا فعل تھا جس سے اُسکی بے ریا محبت و ایمان کا اظہار ہؤا۔ جب بڑے سے بڑے گنہگار کو بارگاہ الہیٰ میں رسائی حاصل ہے تو اگر خدا کے مسیح کی قدمبوسی ایک تائب عورت کو نصیب ہوگئی تو تمکو کیوں بُرا معلوم ہؤا؟ اگر عورت نے مسیح کے قدم چھوئیے تو کیا چھوت کا اندیشہ تھا؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ حضرت مسیح کے جسم مقدس سے اعجازی قوت جاری رہا کرتی تھی (لوقا ۶) جس سے بیمار شفا پاتے تھے؟ چنانچہ ایک لاعلاج مریضہ جو اپنا سارا مال حکیموں پر خرچ کر چکی تھی صرف خداوند مسیح کی "پوشاک کا کنارہ" چھوکر اُسی دم اچھی ہوگئی لوقا ۸ پس کیا تعجب ہے کہ عورتیں اور مرد جو روحانی اور جسمانی بلاؤں میں گرفتار تھے آپ کے بابرکت اور مقدس جسم کو چھونے کے لئے قدموں پر گرتے اور اپنی مرادیں حاصل کرتے تھے۔ یہ کچھ تو آپ لوگوں نے ہمارے منہ سے سُنا۔ اب اس ناپاک اعتراض کی حقیقت ہم خود مرزاجی کی زبان مبارک سے بھی آپکو سنوا دیتیں۔ آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۹۷ و ۵۹۸ میں آپ نے یہ لکھا ہے" یاد رہے کہ اکثر ایسے اسرار دقیقہ بصورت اقوال یا افعال انبیاء سے ظہور میں آتے ہیں کہ جو نادانوں کی نظر میں سخت بیہودہ اور شرمناک کام ہے۔ اگر کوئی تکبر اور خودستائی کی راہ سے حضرت مسیح کی نسبت یہ زبان پر لاوے کہ وہ طوائف کے گندہ مال کو اپنے کام میں لایا تو ایسے خبیث کی نسبت اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اُسکی فطرت اُن پاک لوگوں کی فطرت سے مغائر پڑی ہوئی ہے اور شیطان کی فطرت کے موافق اس پلید کا مادہ اور خمیر ہے" آخر کبھی تو سچ بر لو۔ بھول کر ہی +

ماں کی بے ادبی

(۴) "اپنی ماں کی اُس نے بے ادبی کی" (متی ۱۲ ۴۸) یہاں صرف یہ لکھا ہے کہ وعظ کے سلسلے میں حضرت مسیح نے فرمایا تھا "کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی۔ اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا دیکھو میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے" یعنی سچے ناتہ دار ایماندار لوگ ہیں۔ بھلا اسکو ماں کی بے ادبی سے کیا علاقہ؟

مرزا سوروں کے حامی

(۵) "ایک بیگناہ شخص کے جس نے اُسے کچھ نقصان نہ پہنچایا تھا قریباً دو ہزار سؤروں کے گلہ کو تلف کر دیا" (مرقس ۵ ۱۳) یعنی حضرت مسیح نے دو ہزار سؤروں کو تلف کر دیا! ناظرین ذرا اس کا بھی لحاظ فرماویں کہ مرزا اس سؤروالے کو "بیگناہ" کہنے پر تو اس قدر مصر ہے اور روح اللہ کو گنہگار کہنے کے خیال سے نہیں ڈرتا!

مسیح کا معجزہ

اسکا اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا دیوانہ تھا جس میں ناپاک روح تھی "جو قبروں میں رہا کرتا تھا" "اور کوئی اُسے قابو میں نہ لا سکتا تھا" "وہ ہمیشہ رات دن قبروں اور پہاڑوں میں چلاتا اور اپنے تئیں پتھروں سے زخمی کرتا تھا" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "وہ اُس نے بڑی مدت سے کپڑے نہ پہنے تھے" لوقا ۸ ۲۷ اور ایسا خطرناک اور تند مزاج تھا کہ "کوئی اُس راستے سے گذر نہیں سکتا تھا" متی ۸ ۲۸۔ ایسے خطرناک دیوانہ کو جو ننگا مادرزاد پھرتا تھا جس سے خلق خدا کی عافیت تنگ تھی جس نے راہیں بند کر رکھی تھیں حضرت مسیح نے چنگا کر دیا۔ جب آپ نے اس دیوانہ سے حکماً کہا "اے ناپاک روح اس آدمی میں سے نکل جا" اور اُس وقت "وہاں پہاڑ پر سؤروں کا ایک بڑا غول چر رہا تھا" تو اُس ناپاک روح نے اس آدمی میں سے نکلنے کی یہ شرط کی کہ "ہم کو ان سؤروں میں بھیج تاکہ ہم اُنکے اندر جائیں۔ پس اُس نے انہیں اجازت دی اور ناپاک روحیں نکل کر سؤروں کے اندر گئیں اور وہ غول جو قریب دو ہزار کے تھا کڑاڑے پر سے جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا"!

مسیح نے صرف بدروحوں کو ایک آدمی میں سے نکالا تھا اور چونکہ یہ بدروحیں بغیر اسکے نہیں نکل سکتی تھیں کہ وہ کسی دوسرے پر قبضہ کریں اسلئے انکو اجازت دی کہ انسانوں کو چھوڑ کر سوٗروں میں داخل ہوں۔ اس سے زیادہ کی اجازت مسیح کی طرف سے انکو نہ تھی۔ اب اگر ان بدروحوں نے اپنی شیطنت سے ان سوٗروں کو ہلاک کیا یا سوٗر خود بھڑک کر دریا میں جاگرے تو یہ فعل مسیح کا نہیں تھا۔ اور یہ کہنا نرا جھوٹھ ہے کہ مسیح نے "سوٗروں کے گلّہ کو تلف کر دیا"

انسان کا صدقہ جان

مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ایک انسان کی جان بچنے کے لئے یہی ضروری تھا کہ دو ہزار سوٗر تلف ہو جائیں (معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہر کے سوٗر ایک ہی گلہ میں چررہے تھے اور متفرق مالکوں کے تھے) تو بھی اس میں کیا قباحت تھی جبکہ ایک ایسا دیوانہ اچھا ہونے والا تھا جو تمام شہر کے لئے عذاب بنا ہوٗا تھا۔ اے مرزا تم کیسے مسیح ہوگئے کہ سوٗروں کے ساتھ تمہاری ہمدردی ایسی بڑھی اور انسان کی جان پر تم کو ترس نہیں۔ ضرور تم کو مسیح کے ساتھ عداوت ہونا چاہئے۔ بھلا کچھ تو ہمجنسوں کے ساتھ مروّت دکھلاؤ۔

اگر کسی محلہ میں آگ لگے اور سارا شہر خطرے میں پڑ جائے اور چند آدمی ملکر اہل محلہ کے پانی کے گھڑے بلا اجازت مالک کے لیکر آگ پر انڈیلنا شروع کریں اور پڑوس کے چند مکانوں کے چھپر وغیرہ بھی گرادیں اور اسطرح آگ فرد کریں۔ تو شاید کوئی مرزا ہی سے دل و دماغ کا معترض اُن نیک نیت اشخاص کو الزام دیگا کہ انہوں نے پرایا پانی صرف کر ڈالا یا لوگوں کا نقصان کیا۔

پس ثابت ہوگیا کہ مسیح نے کسی کو نقصان پہنچایا اور نہ سوٗروں کو تلف کیا۔ انہوں نے صرف ایک بے قابو دیوانہ کو چنگا کرکے اہل شہر کے لئے اُسکو خدا کی رحمت بنا دیا۔ اور اگر کسی کو مالی نقصان پہنچ گیا یا کوئی حیوان ہلاک ہوٗا تو اس فعل کے بانی شیاطین تھے مسیح نے صرف اسی قدر کیا کہ خدا کے ایک بندہ پر سے بدروحوں کو ہانک دیا اور انکی راہ انسانوں پر بند کردی اور بس۔ اور اس فعل کو یا تو وہی شیاطین بُرا سمجھینگے جو نکالے گئے یا وہ لوگ جنکے درمیان انہوں نے بود و باش اختیار کر رکھی ہو۔

قتل خنزیر اگر تم چاہو ہم نے فرض کر لیا کہ حضرت مسیح نے اِن ۲ ہزار سؤروں میں سے ایک ایک کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر ڈالا تو آپ اعتراض کرنے والے کون؟ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح اپنے نزول ثانی میں یقتل الخنزیر تمام جہان کے سؤروں کو قتل کر ڈالیں گے تو اُسوقت آپ اُن سؤروں اور اُنکے "بیگناہ" مالکوں کی وکالت کہاں کہاں کرتے پھرینگے؟ پس جو فعل نزول ثانی میں ضرور ہونا ہے اگر اُسکا کوئی جزو نزول اوّل میں حضرت مسیح نے پورا کردیا تو آپ کس منہ سے اعتراض کرسکتے ہیں؟

ہمکو یہاں ایک بات اور یاد آئی - اس حدیث کو آپ اپنے اخبار الحکم کی پیشانی پر لکھتے ہیں اور اُسکے خود مصداق بنتے ہیں - تو چاہئے کہ کم سے کم چند سؤروں کو تو آپ نے بھی قتل کیا ہو - اور چونکہ آپ عیسائیوں کے ساتھ اپنی نفرت و بیزاری ظاہر کرنے کے لئے "سب پرندوں سے زیادہ کبوتر کا گوشت ناپسند کرتے ہیں کیونکہ وہ (بزعم جناب) عیسائیوں **مرزا اور پڑیاں** کا خدا ہے . . . . . اُسکی نرم نرم ہڈیاں دانتوں کے نیچے چباتے ہیں" [1] تو کچھ عجب نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی آپ اپنی نفرت و بیزاری کا ثبوت دیں کیونکہ وہ لوگ باراہ یعنی سؤر کے اوتار کے قائل ہیں اور یوں آپکے ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں -

شاگردوں کا بالیں کھانا "آپ نے شاگردوں کو بغیر رضامندی مالک کے ایسی چیز کھانے کی اجازت دی جو شرعاً ناجائز تھی" وہ کیا چیز تھی جو شرعاً ناجائز تھی؟ لکھا ہے "یسوع

---

[1] آپ کی یہ حرکت بھی قابل نفرین ہے - کچھ بھی پاس آپ نے اس کبوتر کا نہ کیا جس نے غار ثور میں رسول عربی کی حمایت کی جس نے حضرت نوح کو بشارت دی - جس نے سقف کعبہ کو اپنا آشیانہ بنایا - آپ کو اپنے علامۃ البشری کا بھی کچھ خیال نہ ہوا ہڈیاں چبانے لگے - اور شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ مرزا صاحب نے خواب دیکھا جو البدر ۱۱ ستمبر ۱۹۰۲ء میں چھپا - "میں نے دیکھا ایک بلی ہے اور گویا ایک کبوتر ہمارے پاس ہے وہ اسپر حملہ کرتی ہے بار بار ہٹانے سے باز نہیں آتی تو آخر میں نے اُسکا ناک کاٹ ڈالا پھر بھی باز نہ آئی تو آخر میں نے کہا اسکو ذبح کر دو - - - " دیکھو کبوتر کی ہڈیاں چبانے والی کیسی بلی کر بیانی دی گئی۔

سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر گیا اور اُسکے شاگردوں کو بھوک لگی اور بالیں توڑ توڑ کر
کھانے لگے اُنہوں نے کھیت میں اناج کی بالیں کھائیں اور اسی کو مرزا شرعاً ناجائز کہتا
ہے ہم کسی جاہل متعصب دشمن راستی کو کیونکر سمجھائیں۔ شاگردوں کا فعل بالکل شرعاً جائز تھا
جسکے لئے مالک کی شرعی رضامندی بھی موجود تھی۔ توریت کی کتاب استثنا باب ۲۳ آیت
۲۴۔۲۵ میں حکم ہے "جب تو اپنے ہمسائے کے تاکستان میں داخل ہو تو جتنے انگور
چاہے اپنی خوشی سے کھا لیکن اپنے برتن میں نہ رکھ۔ جب تو اپنے ہمسائے کے کھیت میں
داخل ہو تو اپنے ہاتھ سے بالیں توڑ لے۔ پر اپنے بھائی کا کھیت ہنسیے سے مت کاٹ"
ہر راہگیر کو اذن عام تھا کہ چلتا ہوا انگورستان سے انگور کھائے اور کھیت سے بالیں کھائے
جمع کر کے نہ لے جائے۔ پس شاگرد اسی شرعی اجازت کے موافق بالیں توڑ توڑ کھانے لگے۔
گو اس قسم کا رواج تو ہر ملک میں ہے مگر یہودیوں میں یہ رواج شرعی تھا۔ یہ اعتراض قلویان
کے سینہ کے الہام اور عرفان اور علومات پر شاہد ناطق ہے :

لعن الذین کفروا (۲) اُس نے یہودیوں کے بزرگوں کو سخت گالیاں دیں اور بہت
نامناسب جملے اُن کی عزت پر کئے۔" اے یہودیوں کی عزت کے حامی! قرآن بتلاتا ہے کہ
لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسیٰ (مائدہ ع) کہ بنی اسرائیل
میں جنہوں نے کفر کیا تھا در اصل وہ لعنت کے مستحق تھے اُن پر زیادتی کچھ نہیں کی گئی اور
حضرت عیسےٰ نے اُنکے کفر کو دریافت کر لیا تھا۔ فلما احسّ عیسٰی منہم الکفر اور ان
کافروں کو خدائی غضب سے ڈرایا۔ گالیاں نہیں دیں۔ اور خود تم نے بھی تسلیم کر لیا ہے
کہ "ہم مانتے ہیں کہ مسیح کے سخت الفاظ بھی بیہودہ نہیں ہیں بلکہ اپنے محل پر چسپاں ہونگے
اور بعض گالیوں کے رنگ میں ہرگز نہیں ہونگے۔ مگر دشمن جس کی نیت صاف نہیں ہم اُسکو
کیونکر سمجھا سکتے ہیں کہ وہ محل و موقع کے الفاظ ہیں نہ گالیاں" جلد ۳ صفحہ ۲۶ تم یہ بھی کہ چکے
کہ حضرت مسیح کے منہ سے الفاظ غصے کے جوش اور مجنونانہ طیش سے نہیں نکلتے تھے بلکہ نہایت

آرام اور ٹھنڈے دل سے اپنے محل پر یہ الفاظ چسپاں کیئے جاتے تھے "(ضرورت امامت) ص۶ دروغگو را حافظہ نباشد۔ اسی کو کہتے ہیں ایسے شخص کی تردید کرتے ہوئے افسوس آتا ہے :۔

مرزا کی غلط فہمی

(۸) اُس نے تمام انبیا اور اولیا کو جو اس سے پیشتر گذر چکے تھے چور اور بٹمار کہا یوحنا ۱۰/۱ میں مسیح خداوند کا قول ہے "جو کوئی دروازہ سے بھیڑ خانہ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اور کسی طرف سے چڑھ جاتا ہے وہ چور اور ڈاکو ہے" یوحنا ۱۰/۸ "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں مگر بھیڑوں نے انکی نہیں سُنی" ۱۰/۸ جن لوگوں کو مسیح نے چور اور ڈاکو فرمایا انکے دو نشان بتلائے۔ ایک یہ کہ وہ "دروازے سے بھیڑ خانہ میں داخل نہیں ہوئے" دوسرے یہ کہ "بھیڑوں نے انکی نہیں سنی" پس ایسے لوگوں سے مراد "انبیا و اولیا" سمجھنا یہ صرف مرزائی خوش فہمی ہے جسکے بطلان کی چنداں ضرورت نہیں مسیح نے جھوٹے نبیوں اور ریفارمروں کو جنہوں نے جھوٹ بنی اسرائیل کا چرواہا ہونے کا دعوے کیا چور اور بٹمار کہا وہ اس قسم کے لوگ تھے جنکی نسبت حضرت یرمیاہ نبی نے فرمایا "اُن چرواہوں پر واویلا جو میری چراگاہ کی بھیڑوں کو ہلاک و پریشان کرتے ہیں" ۲۳/۱ "میرے لوگ بھٹکی ہوئی بھیڑوں کی مانند ہوئے اُن کے چرواہوں نے اُنکو گمراہ کر دیا" ۵۰/۶ +

نبیوں اور رسولوں کی جو مسیح سے پہلے گذرے اُنکی تصدیق تو خود مسیح نے فرمائی آپ نے یہود کو سرزنش کی "خدا کی حکمت نے کہا کہ میں نبیوں اور رسولوں کو اُنکے پاس بھیجونگی وہ ان میں سے بعض کو قتل کرینگے اور بعض کو ستاوینگے" لوقا ۱۱/۴۹ اور بڑے زور سے فرمایا "اے یروشلم اے یروشلم۔ جو نبیوں کو قتل کرتا ہے جو تیرے پاس بھیجے گئے اُنہیں سنگسار کرتا ہے" متی ۲۳/۳۷ آپ نے موسیٰ کی گدی کو قابل تعظیم ٹھیرایا اور فرمایا "فقیہ اور فریسی موسے کی گدی پر بیٹھے ہیں جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب عمل میں لاؤ" متی ۲۳/۲ اور "توریت اور نبیوں کی کتابوں کو" آپ نے تسلیم کیا متی ۵/۱۷ اور اپنے شاگردوں کو موسے اور سب نبیوں سے

شروع کر کے سب صحیفوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُنکو سمجھا دیں" لوقا ۲۴ پس کتنا بڑا جھوٹ ہے یہ کہنا کہ مسیح نے "تمام انبیا اور راولیا کو جو اُس سے پیشتر گذرے چور اور بٹمار کہا" کیا آپ قرآن کا وہ اصول تفسیر بالکل بھول گئے جو ہم کو سکھلایا تھا؟

مسیح کی دعا (۹) اُس نے خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی "مسیح کی دعا یہ ہے "اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تاہم میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو" پھر دوبارہ اس نے جا کر یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو" اور وہی بات پھر کہکر تیسری بار دعا مانگی" متی ۲۶ ۳۹-۴۴ اور اسی کو مرزا کہتا ہے کہ "خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی" اُسکو نہ دعا کی ماہیت سے خبر ہے نہ یہ جانتا ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔ اس پر ہم آگے چلکر مفصل بحث کرینگے ÷

ابی چور (۱۰) اُس نے چور سے وعدہ خلافی کی" لوقا ۲۳ ۴۳ میں لکھا ہے کہ مسیح نے چور سے جو اُس پر ایمان لایا فرمایا "آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا" پس جو لوگ مسیح کے قول کو حق سمجھتے ہیں اور جنکی تعریف میں یُؤمنون بالغیب آیا ہے انکو تو پورا الیقین ہے کہ بلا شک وہ چور اُسی روز بہشت میں داخل ہوگیا۔

مرزا کہتا ہے کہ "وہ خود تین دن دوزخ میں رہا" اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں لَعنَتَ اللہِ علی الکاذِبین +

مسیح عالم ارواح میں خداوند مسیح کے بہشت میں اور عالم ارواح میں جانے کا زمانہ وہ ہے جو ابن مصلوبیت و قیامت کے واقع ہوا۔ اور دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد آپ چالیس دن تک زمین پر اپنے شاگردوں کے ساتھ رہے وہ دوسرا زمانہ ہے۔ اور آپ کا یہ قول "میں ہنوز اپنے باپ کے پاس نہیں گیا" دیوحنا ۲۰ ۱۷) آپ کے رفع جسمانی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب آپ اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر صعود فرما گئے۔ نہ اُس رفع روحانی کی طرف جب کہ نفس روح کے ساتھ بلا جسم آپ بہشت بریں پر تشریف لے گئے۔ اس زمانہ

ہیں آپ کا جسد مبارک لحد میں استراحت فرماتا تھا۔ اس اعتراض میں مرزا جی نے اُس دوسرے چور کا ساتھ دیا ہے جو آخر دم تک حضرت مسیح سے منکر رہا ؛

پنجم ۔ مرزا نے اپنے اوپر صرف یہی ظلم نہیں کیا کہ حضرت مسیح کی مقدس زندگی کے اوپر انجیل کے بیان کی بنیاد پر ایسے لغو اور بیہودہ اعتراض کئے جنکو کوئی صداقت پسند شخص چاہے کسی مذہب و ملت کا ہو ایک دم کو جائز نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ اُس نے انجیل نویسوں کے سکوت پر بھی بمصداق المرء یقیس علےٰ نفسہٖ اپنی بدگمانی کو جولانی دی ہے۔

مسیح کی طفلی کا مبارک عہد

وہ کہتا ہے کہ "انجیل نویسوں نے دیدہ دانستہ اپنے پیش کردہ یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارۃً بیان کرنے سے بھی پہلو تہی کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی جوانی کے ایام پر ارادتاً پردہ ڈالا گیا تھا۔ اِس پہلی تیس سالہ زندگی کو بیان کرنے سے کنارہ کشی کی ہے۔ اگر اس زمانے کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جائے اور مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اسکی سوانح میں اعلےٰ درجہ کی پاکیزگی کا نمونہ نہیں ملتا۔ بلکہ مخالفین کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت عیوب سے خالی نہ تھا۔ مثلاً یہودی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ایک یہودی لڑکی پر عاشق ہو گیا اس وجہ سے اُسکے استاد نے ناراض ہو کر اُسے عاق کر دیا" صفحہ ۴۹ و ۵۰ ۔

انجیل نویسوں نے بیشتر وہی حالات قلمبند کر دیئے ہیں جو حواریوں کی آنکھوں کے سامنے اُس زمانے کے بعد وقوع میں آئے جب وہ حضرت مسیح پر ایمان لا چکے تھے۔ یعنی بعد اُسکے کہ حضرت مسیح تیس برس کی عمر میں بنی اسرائیل پر ظاہر ہوئے۔ مگر یہ سراسر جھوٹ ہے کہ انہوں نے یسوع کے بچپن کے حالات کو اشارتاً بیان کرنے سے بھی پہلو تہی کی ہے۔ گو انہوں نے بچپن کے حالات کی تفصیل تو نہیں بیان کی اور یہ اُن کے مقصود کے بھی خلاف تھا۔ مگر انہوں نے ایمانداروں کی تسکین و معرفت کے لئے کافی وافی بیان کر دیا ہے۔ آپ کی والدہ صدیقہ

آپ کو گود میں لے کر مقدس ہیکل میں لائیں اور وہاں جملہ شرعی رسوم ادا ہوئیں۔ اسکے بعد لکھا ہے جب وہ خداوند کی شریعت کے موافق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرت کو آئے اور وہ لڑکا (یسوع) بڑھتا گیا اور قوت اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اُس پر تھا (لوقا ۲ باب ۳۹ و ۴۰)۔ دیکھئے یہ لب لباب آپ کی بچپن کی مقدس زندگی کا انجیل نویسوں نے بیان کیا۔ الٰہی حکمت سے معمور ہونا اور خدا کے فضل میں ترقی کرنا۔ حکمت سے معمور ہونے کی طرف قرآن میں بھی اشارہ دیا ہے اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (مائدہ ع ۱۵) اور فضل خدا پر بھی آیہ نِعْمَتِي عَلَيْكَ شاہد ہے۔ جب حضرت مسیح بارہ برس کے ہوئے تو اس الٰہی حکمت کا فضل ظہور یوں دیکھا کہ لوگوں نے آپکو ہیکل میں استادوں کے بیچ میں بیٹھے انکی سنتے اور اُن سے سوال کرتے ہوئے پایا اور جتنے اس کی سن رہے تھے اس کی سمجھ اور اُسکے جوابوں سے دنگ ہوتے تھے" لوقا ۲ باب ۴۶ و ۴۷ ۔ اس عمر کو دیکھئے اور آپ کا خدا کے گھر میں خدا کی شریعت پر شرع کے علما سے سوال و جواب کرنا دیکھئے۔ اور دیکھنے والوں کی حیرت ملاحظہ فرمائیے۔ اسی کی تائید میں قرآن میں وارد ہوا ہے وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ؏

مسیح کا عہد شباب اس بارہ برس سے تیس برس تک کی زندگی کا خلاصہ انجیل نویس یوں بیان کرتے ہیں "یسوع دانائی اور قد و قامت میں اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا" لوقا ۲ باب ۵۲۔ پس وہ جو سعید نے سفینہ سے مرد بھوں کی دروغگوئی کی بابت کہا تھا کذبت استاہ یتی نر دتا یعنی جھوٹ بولتی ہیں دُمیں انکی۔ وہی ہم قادیانی کو اس جھوٹ کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ "اُس کی جوانی کے ایام پر ارادۃً پردہ ڈالا گیا" نہیں بلکہ پردہ اٹھا دیا گیا اور مسیح کی مبارک زندگی کی جھلک اہل ایمان کو دکھلائی گئی کہ کس طرح "جوانی کے ایام میں آپ خدا اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کر رہے تھے اور اس سے زیادہ پاک زندگی تصور میں نہیں آسکتی ؏

مرزا کہتا ہے "اگر اُس زمانہ کی نسبت جہاں انجیل نویسوں نے خاموشی اختیار کی ہے
دوسرے ذرائع سے پتہ لگایا جاوے" خاموشی کی نوعیت تو ہم نے دکھلا دی کہ کسطرح وہ
آپ کی عصمت پر ناطق ہے۔ رہے "دوسرے ذرائع" ہم اُنکے مخالف نہیں۔ مسلمانوں کے
لئے دوسرے ذرائع میں سب سے معتبر ذریعہ قرآن شریف ہے اور
من الصالحین
اس میں حضرت مسیح کی مبارک زندگی کا خلاصہ یہ بیان ہوا وجیہاً فی الدنیا ومن
الصالحین (آل عمران) جعلنی مبارکاً این ما کنت۔ ولنجعلہ آیۃ للناس
ورحمۃ منا (مریم) پس جب ہر وقت اور ہر جگہ آپ کا وجود برکت والا قرار دیا گیا اور آپ
ہمیشہ صالح رہے تو بچپن اور جوانی کی نسبت بدگمانی کی گنجائش کہاں باقی رہی۔ مگر افسوس
مرزا کے "دوسرے ذرائع" تو یہی مردود اور ملعون یہودی ذرائع ہیں جنکے حوالہ دینے سے
یہودی بھی شرماتے ہیں۔ اور وہ بہتان عظیم کبھی کسی ہم عصر یہودی کی بھی زبان سے نہیں
نکلا نہ کسی معتبر یہودی تاریخ میں درج ملتا ہے۔ ہاں صدیوں بعد جب یہودیوں اور عیسائیوں
کے درمیان عداوت کا بازار گرم ہوا تو عیسائیوں کو رنج دینے کی غرض سے کسی ناپاک طینت
یہودی منافق نے جس سے آپ کو موافقت ہے یہ لکھکر اپنی عاقبت خراب کی۔ اور اسکا یہ کفر
اُسی قسم کا ہے جیسا یہود کے اور اشرار نے مقدسہ مریم کی شان میں بکا اور جسکے لئے قرآن
نے انکو ملعون ٹھیرایا۔ اور بڑا تماشا یہ ہے کہ مرزا خود بھی ایک جگہ ایسے الزام کو یہودیوں کی
کی شرارت اور خباثت پر مبنی بتلا کر (صفحہ ۱۴۲) مان چکا ہے کہ وہ لوگ اپنی جبلی شرارتوں سے
حضرت مسیح اور انکی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کیا کرتے ہیں (عصمت) مگر
پھر بھی یہاں اُنکو اُن یہودیوں کے اس کفر پر کتنا بڑا وثوق ہے کہ بار بار اسکا حوالہ دیتا ہے
اور تاکید کرتا ہے کہ "یہ وہ روایت ہے جو یہودی پیش کرتے ہیں" (صفحہ ۱۶۸) آپ یہودیوں کے
اس اُلش کو نوش جان فرمائیے اور اپنا کہا ہوا بھول جائیے کہ "انہی بہتانوں کی وجہ سے یہود
پر پھٹکار پڑی" (صفحہ ۱۵۱) مرزا نے کہا ہے کہ "اگر مخالفین کے بیان کو صحیح تسلیم کیا جائے"

ہم کہتے ہیں تو اُس وقت قرآن کے بیان کو لغو ماننا پڑیگا کیونکہ کسی یہودی لڑکی پر عاشق ہو جانا اور اُستاد کا ناراض ہو کر عاق کر دینا ایّدنٰہ بروح القدس مبارکًا اینَ ما کنتُ اور وجیہًا فی الدنیا اور رحمۃً منّا اور من الصّالحین کی تفسیر نہیں ہو سکتا۔ بھلا ہم پیر قادیاں کو کیا جواب دیں جو نہ قرآن سے راضی نہ انجیل سے راضی اور نہ حدیث سے راضی اور جو صرف یہودیوں کو اپنا پیر و مرشد بنائے ہوئے ہے۔ جن کی شان میں قرآن نے پکار کر کہہ دیا بل طبع اللہ علیھا بکفرھم فلا یومنون۔ مہر لگا دی اللہ نے اُنکے دل پر اُنکے کفر کے باعث پس وہ ایمان نہیں لاتے۔ اب ہم یہ مضمون عصمت مسیح کا ختم کرتے ہیں ؛

مسیح کی موت و بعثت کا اثبات

اور مرزائے قادیانی کے اوہام کا ابطال

مسیح کتاب مقدس کے موافق ہمارے گناہوں کی خاطر مرے اور دفن ہوئے اور تیسرے دن جی اٹھے (۱-کرنتھی ۱۵: ۳)

ہمارے خداوند مسیح کی صلیبی موت ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس سے نہ تو کبھی دوستوں نے انکار کیا نہ دشمنوں نے۔ دوست تو انکار کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ اپنے خداوند کے احسانوں کو فراموش کر دیں؟ جس نے اپنی جان بھی اُنکے لئے دریغ نہ کی۔ ہمارے ہی گناہوں کی خاطر وہ گھائل کیا گیا اور ہماری ہی بدکاریوں کے لئے کچلا گیا۔ اور دشمن بھی کیوں انکار کرنے لگے؟ خداوند کی موت تو انکی عداوت وخباثت کی معراج تھی۔ جس میں جہان کے نور پر گویا ایک دم کے لئے تاریکی کی قوتوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ پس دوست تو شکر کے ساتھ اور دشمن فخر کے ساتھ دنیا کی تاریخ کے اس عظیم ترین سانحہ پر ہمیشہ گواہی دیتے رہے:

مسیح کی موت پر اہل جہان کا اتفاق

نادان دوستوں کا خیال

ہاں نادان دوستوں میں بعض گذرے جنکو پطرس کی طرح یہ خیال گوارا نہ ہو سکا کہ کوئی معصوم مقبول بارگاہ دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ کر ایسی دردناک موت سے مرے۔ اور اُس کو نبی کی عظمت اور خدا کے انصاف و رحمت کے خلاف سمجھ کر واقعہ صلیب کے حقیقی ماننے میں اُنھوں نے تامّل کیا۔ مگر وہ بھی کبھی اس امر سے انکار نہ کر سکے کہ جو شخص صلیب دیا گیا اور صلیب پر مرا وہ صورت اور شکل میں بالکل مسیح کا مثنیٰ تھا۔ اور تمام لوگوں نے اُسکو مسیح ہی سمجھا۔ اُنکی محبت نے اور دل کی آرزو نے صرف یہ وہم پیدا کر لیا جسکا خارجی ثبوت ممکن نہیں کہ کسی نامعلوم اور معجزانہ طریق سے خدا نے اصل مسیح

کو ہر ایک جسمانی درد دُکھ اور تکلیف سے بالکل محفوظ رکھا اور دشمنوں کے ہاتھ سے بچا کر آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور اُسکی جگہ ایک نقلی مسیح کو صلیب و موت ہوگئی۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کا یہی خیال ہے آجتک اُنکے علماء ولٰکن شُبِّہَ لہُم کی تفسیر میں بیان کرتے چلے آئے ہیں مگر جب یہ بلا عذر تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ اکثر انبیاء جُھٹلائے گئے۔ اذیتیں اٹھا کر خدا کی راہ میں شہید ہوئے اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ یقتلون النّبیین بغیر الحق تو پھر جسمانی ابتلا درد تکلیف موت و شہادت فی سبیل اللہ مسیح کے حق میں کیونکر ذلّت کا باعث متصور ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ تو ایک خاص الخاص پہلو آپ کی رفعت و عظمت کا ہے۔

عیسائی جو خداوند کی شہادت و موت کے قائل ہیں وہ آپ کی ظفر مند قیامت کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد موت تیسرے دن خدا نے آپ کو قبر سے زندہ کر کے ایک جلالی جسم میں اُٹھایا اور گور اور موت پر فتح بخشی اور آسمان پر مع جسم مرفوع کیا اور یہ سب سے بڑا معجزہ تھا۔ بلکہ قرآن میں جو لکھا ہے وانّہ لعلمٌ للساعۃ (زخرف ع ۶) یعنی عیسےٰ قیامت کا علم ہے۔ اس کے معنے یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کی ذات سے علم حاصل ہوتا ہے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ کیونکہ جسم قبر سے دوبارہ زندہ ہو کر ہمیشہ کے لئے غیر فانی اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مگر ملحدین منکرین معجزہ جو اسکو نہیں مانتے وہ ہمیشہ آپ کی موت کے قائل رہے اور قیامت و بعثت کے منکر۔

ناداں دشمنوں کا خیال

ان منکرین کے گروہ میں اکّا دُکّا ایسے خام خیال بھی گذرے ہیں جنکو دِقّت نظر حاصل نہ تھی اور اسی لئے اُنکے خیالات اُنکے گروہ میں بھی نامقبول رہے جنہوں نے مسیح کا اپنے شاگردوں کو بعد صلیب و دفن نظر آنا ایک واقعہ مسلّمہ مان لیا مگر معجزے کو باطل کرنے کی غرض سے جسکے وہ منکر ہیں یہ وہم ایجاد کیا کہ مسیح صلیب پر مرے ہی نہ تھے صرف غش کھا گئے تھے جسکو لوگ موت سمجھے اور پھر ہوش میں آ کر اور کچھ دنوں زیر علاج رہ کر اچھے ہو گئے اور اسی کو شاگردوں نے دوبارہ زندہ ہو جانا مشہور کر دیا۔ یہ

خیال ایسا فاسد بلکہ بودا تھا کہ منکرین کی نگاہ میں بھی نہ جچا اور اسکو اسٹراس جیسے سرآمدہ ملاحدۂ یوروپ نے رد کرکے سمجھا دیا کہ مطلق قابل التفات نہیں :

ماخذ معلومات قادیانی

مگر ہمارے مرزاجی جو ملحدوں اور دہریوں کے عیسویت کی مخالفت میں کاسہ لیس ہیں اور انکے رد کئے ہوئے فضلہ کو شیر مادر کی طرح ہضم کرنے میں مشاق ہوگئے اس مردود و لاوارث خیال کو انکی کتابوں سے سرقہ کرکے بڑے طمطراق کے ساتھ اپنے پٹھوؤں کے ذہن نشین کررہے ہیں اور اسکو ایک عظیم الشان مضمون "ص۷ اور "اس زمانہ کی اعلٰے درجہ کی تحقیقات" ص۳۲ کا نام دے کر گویا فرماتے ہیں کہ این خیال اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ - اور حق یہ ہے کہ بیہودگی اور حماقت میں بھی مرزاجی کو جدت نصیب نہ ہوئی اگر آپ کبھی کسی دہریہ یا ملحد کے یہاں مُنڈے بھی تو وہ بھی کوئی شامت کا مارا گھٹیا کا پل کا گدھا نکلا - پس مسیح کی صلیبی موت سے انکار کرنے میں تو آپ نے الحاد کے کٹھ ملاؤں کی تقلید کی اور مسیح کے ملک شام سے ہندوستان میں سفر کرنے کے خیال میں آپ نوٹوویش روسی سیاح کے مرید ہوئے جس نے تھوڑے دن ہوئے واقعی کچھ جدت اور ہنرمندی کے ساتھ مسیح کی نئی سوانح عمری کا دلچسپ ناول صحیح تاریخ کے نام سے سنایا تھا - مگر اسکا نرا افسانہ ہونا ثابت ہوگیا اور یوروپ سے جب یہ دونوں خیال بالکل مردود ہو چکے تو مرزاجی نے انکو اپنی اندھیر نگری میں جہاں کے آپ بوجھ بجھکڑ ہیں رائج کرنا چاہا :

یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ نہ تو مرزا کو نادان دوستوں کا یہ خیال جنچتا ہے کہ خدا نے مسیح کو ہر طرح کے دکھ درد و رسوائی سے بچا لیا کیونکہ یہ قلبی محبت پر مبنی تھا - نہ اسکو فہمیدہ دوستوں کا خیال جنچا کہ مسیح خدا کی راہ میں ہر طرح کے مصائب سہکر شہید ہوئے اور سب سے اعلےٰ ثواب کو فائز ہوئے کیونکہ یہ واقعات پر مبنی تھا - نہ اسکو دانا دشمنوں کا خیال جنچا کہ مسیح کی موت تو یقینی تھی مگر انکا دوبارہ لوٹ کر آنا شاگردوں کا وہم و خواب تھا کیونکہ اس کے لئے بھی فہم و فراست درکار تھی - اُس کو جنچا تو نادان دشمنوں کا خیال جنچا کیونکہ اُس میں

ے چنانچہ البدر ۱۱ ستمبر ۱۹۰۳ء میں آپکے کسی لکچر مضمون کا ترجمہ بعنوان "کسر صلیب" درج کیا گیا جس میں راقم "معجزات" اور "خدا کے زندہ

قرآن کا یہ سخن پورا ہوتا ہے جَعَلنا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِینَ الاِنسِ وَالجِنِّ یُوحِی بَعضُھُم اِلیٰ بَعضٍ زُخرُفَ القَولِ غُرُوراً (انعام ع۱۴) ہم نے رکھے ہر نبی کے دشمن آدمیوں اور جنوں میں شیطان لوگ جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو جھوٹی باتیں مکاری کی۔ یہ مسیح کے حق میں آپ کی اور آپ کے استادوں کی دشمنی ہے کہ مسیح کے لئے دو موتیں تجویز کرنے کو یہ خیال چلایا گیا ہے کہ ایک دفعہ تو مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ ہر طرح کی رسوائی و درد دُکھ سہے اور صدمات کی شدت میں غش کھا گئے تھے کہ لوگوں نے آپ کو مُردہ تصور کر لیا اور یہ ایک موت کے برابر مصیبت اٹھا کر دوبارہ ہوش میں آئے پھر مدت تک بیماری میں مبتلا رہے مرہم پٹی ہوتی رہی اور چنگے ہو کر ایک مرتبہ پھر کبرسنی کو پہنچ کر موت کا مزہ چکھا۔

مرزا کا یہی زخرف القول غرورا جو جنوری فروری و مئی و جون کے سنہ ۱۹۰۳ء کے چار نمبروں میں کوئی ۴۰ صفحے سیاہ کئے ہوئے مجذوبوں کی بڑ کی طرح خبط اور بے ربط اور شیطان کی آنت کی طرح پیچ در پیچ ہے ہماری دانست میں خود اپنی تردید تھا مگر اس نے شور مچا دیا کہ "ہمارے مضامین کو شائع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا لیکن عیسائیوں کی طرف سے انکی تردید میں ہم نے کچھ نہیں دیکھا" (صفحہ ۱۹)۔ عیسائیوں نے ایسی لچر تقریر کی جس کو مسلمان بھی مردود مانتے ہیں اور عیسائی بھی کچھ پروا نہیں کی تھی مگر وہ تمہارا یہ کفر بھی توڑے دیتے ہیں۔ لو اب اپنی دونوں آنکھیں کھول کر۔ نہیں اپنی ایک ہی آنکھ کھول کر خوب دیکھ لیجئے کہ آپ کے "عظیم الشان" محل کو عیسائی کس طرح زمین سے ملائے دیتے ہیں۔

ہم اپنے آرٹیکل کے اس نمبر میں مختلف عنوانوں کے نیچے صرف یہ ثابت کریں گے کہ انجیل شریف کے بیان کے مطابق خداوند مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے انکار ممکن ہی نہیں اور کہ مرزا کے تمام اوہام نہ صرف باطل بلکہ دانستہ کذب پر مبنی ہیں۔

مرزائی دلائل کا لب لباب

مرزا کہتا ہے "اب یہ قصہ جو انجیلوں میں بیان کیا گیا ہے قابلِ غور ہے۔ ایک آدمی تین گھنٹے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں ملتی کہ صلیب پر تین گھنٹے میں کوئی آدمی مر گیا ہو۔ صلیب سے اُتارے جانے کے بعد اُس کی ہڈیاں توڑی نہیں جاتیں۔ جو آدمی اُسکے ساتھ ہی صلیب پر چڑھائے گئے اور ساتھ ہی اتارے گئے وہ زندہ ہی تھے۔ جب اُس کی پسلی میں ذرہ نیزہ کا سرا چھویا گیا تو وہاں سے خون نکلا۔ کوئی طبی شہادت لی نہیں گئی کہ واقعی یہ شخص مر چکا ہے۔ ان واقعات سے تو صاف اور سیدھا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اس قدر تھوڑے وقت میں کوئی انسان صلیب پر مر ہی نہیں سکتا۔ ہر عقلمند صاف سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں مرے بلکہ بھاگ کر کہیں اور پناہ گزین ہوئے" صفحہ ۵۵-۵۶ +

اوّل - کتنی مدت تک مسیح صلیب پر رہے۔ پہلے تو مرزا نے "مسیح کا تین گھنٹے صلیب پر رہنا مانا صفحہ ۹۴ پھر کہا کہ "تین گھنٹے کے اندر صلیب پر سے اتار اگیا" جلد اول صفحہ ۲۲۲۔ پھر اس سخن کی بھی اصلاح کی اور کہا کہ "قریباً دو گھنٹے سے بھی کم وقت رہے" صفحہ ۹۴ یعنی مسیح کو دو گھنٹے سے بھی کم وقت صلیب پر گذرا اور بالآخر زیادہ سوچ سمجھ کر آپ نے اصلاح میں ترقی کی "اور مسیح کے صلیب پر نہایت تھوڑے عرصے رہنے پر قطعی حکم لگا دیا صفحہ ۱۹۲ ÷

کسی دیہاتی اہلِ دل کا قول بھاع مائی اور ڑھنا مائی بچھونا مائی کا سرہانا ہے۔ ہم کو یہاں مرزا جی زبانِ حال سے یہ پڑھتے ہوئے سنائی دیتے ہیں "جھوٹ اوڑھنا جھوٹ بچھونا جھوٹ ہی کا سرہانا ہے" "تین گھنٹے کہے وہ لغو تھا" "قریباً دو گھنٹے لغو تر تھا اور پھر یہ "نہایت تھوڑا عرصہ لغو ترین تھا ÷ نہیں ہم بھول گئے۔ آپ کی لغویت مبالغہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے آپ تو یہ لکھ چکے ہیں "چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے آتار لیا۔ ازالہ اوہام صفحہ ۳۸۱

مرقس باب ۱۵ آیت ۲۵ میں لکھا ہے کہ "پہر دن چڑھا تھا جب انہوں نے اسکو صلیب پر چڑھایا" لفظی ترجمہ یونانی عبارت کا یہ ہے "وہ تیسرا گھنٹہ تھا" یہودی حساب سے دن صبح سے شام تک ۱۲ گھنٹوں میں منقسم ہے اور صبح سے تیسرا گھنٹہ ہندوستانی پہلا پہر۔ رومی اور انگریزی حساب سے ۹ بجے صبح کا وقت تھا۔ یعنی مسیح صبح ۹ بجے صلیب دئے گئے۔ مگر مرزاجی کی اعجازی جہالت کی شامت دیکھو۔ جہاں چھٹے گھنٹے یعنی ۱۲ بجے دن کا ذکر آیا ہے وہ لکھتے ہیں یہ چھٹا گھنٹہ بارہ بجے کے بعد تھا یعنی وہ وقت جو شام کے قریب ہوتا ہے" ص ۵۰ و ۴۶ کیا خبط ہے۔ نہیں دیکھ سکتے کہ "چھٹا گھنٹہ" دن کے وسط کا وقت ہے جو صبح و شام سے چھ چھ گھنٹے بعید ہے :

پھر آیت ۳۴ میں لکھا ہے "تیسرے پہر یسوع بڑی آواز سے چلایا ایلی ایلی لما سبقتنی" لفظی ترجمہ ہے "نویں گھنٹے" پر جو تیسرا پہر یعنی ۳ بجے دن کا وقت ہے۔ پس ۹ بجے صبح سے لیکر ۳ بجے دن تک پورے چھ گھنٹے ہو گئے ہیں اور اس وقت تک مسیح صلیب ہی پر ہیں اور زندہ ہیں۔ پھر اس کے بعد کچھ وقفہ ہوا نہیں معلوم کس قدر اور "تب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر جان دی" آیت ۳۷۔ پس معلوم ہو گیا کہ صلیب دئے جانے سے جان دینے تک خداوند مسیح کو چھ گھنٹے سے بھی زیادہ مدت گذر چکی تھی اور اسوقت تک آپ صلیب پر سے نہیں اتارے گئے بلکہ قریباً تین گھنٹے موت کے بعد بھی مسیح کا جسم مبارک صلیب ہی پر لٹکتا رہا۔ کیونکہ صاف لکھا ہے "جب شام ہو گئی .... اور سبت کا ریسنے والا یوسف آیا ...... اور پلاطوس کے پاس جاکر یسوع کی لاش مانگی" آیت ۴۲ و ۴۳ اور جب اجازت ملگئی تو وہاں سے لوٹا اور صلیب پر سے اسکو اتار کر مہین چادر میں لپیٹا" لوقا ۲۳/۵۳ پس روشن ہو گیا کہ شام ہو جانے تک خداوند کا لاشہ صلیب ہی پر لٹک رہا تھا۔ ۹ بجے صبح صلیب دی گئی۔ اور شام کے بعد یعنی ۶ بجے کے بعد لاش صلیب پر سے اتاری گئی۔ اب کسی سے گنوالو کہ یہ مدت ۹ گھنٹے سے زاید ہوئی کہ نہیں۔ اور اسی کو آپ نے قریباً دو

گھنٹے" اور "نہایت تھوڑا عرصہ" اور "چند منٹ" بتلایا۔ آپ نے اُس پُرانے ٹکسالی پیشہ ور جھوٹے کو بھی ہرا دیا جو بیچارہ صرف اسی پر اکتفا کرتا تھا کہ

دو پیمانہ آب ست و یک چمچہ دوغ

دوم۔ آیا طبعی طور پر یہ مدت مسیح کے حق میں زندگی فنا کر دینے کو کافی تھی؟

مسیح کی اذیتیں صلیب سے پہلے

خداوند مسیح کو صرف ایک صلیب ہی سے بدنی صدمات نہیں پہنچے تھے بلکہ صلیب سے پہلے خبیث دشمنوں نے آپکو پوری طرح خستہ اور قیمہ کر ڈالا تھا۔ جمعرات کی شام کو آپ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ فسح کا کھانا کھایا تھا اور پھر اُسکے بعد نہ ایک دانہ اناج کا آپ کے منہ تک پہنچا نہ ایک قطرہ آب زبان تک۔ صبح ہوتے ہی زخم پر زخم پہنچائے گئے اور سارے دن بھوکے پیاسے رہے۔ اور طبیبوں کو معلوم ہے کہ تشنگی کا غلبہ زخموں پر کس درجہ ہوتا ہے پیاس کی شدت اور اذیت۔ الامان۔ تمام شب مصیبت و پریشانی میں کٹی۔ ایک جھپکی آنکھوں کو نصیب نہ ہوئی۔ رات ہی کو ناخدا ترس دشمنوں نے گرفتار کر لیا اِدھر سے اُدھر دوڑایا۔ تھکا کر بدن کو چور کر ڈالا۔ روحانی اذیتوں کی کچھ انتہا نہ تھی۔ ہر طرح کی ذلت و خواری بھی بُرا چاہنے والوں کی دل آزاری اٹھائی۔ جنکو زندگی کی راہ بتائی وہی جان کے گاہک ہو گئے بلکہ موت کی راہ میں بھی کانٹے بچھائے۔ کانٹوں کے تاج نے آپکا مبارک سر لہولہان کر دیا اور سرکنڈوں کی مار نے جراحت پر جراحت پہنچائی اور اس سب کے اوپر یہ ستم کہ آپ کا مقدس جسم جو جنت کے پھول سے نازک تر تھا کوڑوں سے پٹوایا گیا (متی ۲۷-۲۷)۔

دُرّے کی سزا

ہم مرزا کی قساوت قلبی کو دفع نہیں کر سکتے۔ مگر صرف ناظرین کو بتلاتے ہیں کہ رومیوں کے درمیان کوڑے کی سزا نہایت ہی ایذا دہ و سنگین تھی۔ کوڑے کے لڑوں میں لوہے ہڈی یا سیسے کے ٹکڑے اس ترکیب سے پروئے ہوتے تھے کہ اُنکی خوفناک ضربوں سے گوشت پارہ پارہ ہو کر پشت قیمہ ہو جاتی تھی۔ اور اکثر ملزم کوڑے کھاتے ہوئے

وہیں مر جاتے تھے۔ جب یہ سزا جس کے تصور سے بدن لرزتا اور روح کانپ اٹھتی ہے مریم کے فرزند بھگت چکے۔ تو بھاری صلیب جو شہتیروں کے دو کندوں سے بنا ہوتا تھا آپ کی مجروح پشت پر لادا گیا۔ اور "وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اُس جگہ تک باہر لائے جو کھوپڑی کہلاتی ہے" یوحنا ۱۹/۱۷ اور تب آپ کو صلیب دی گئی:۔

مصلوب کرنیکا طریقہ

یہ ایک دردناک عمل تھا۔ پہلے صلیب کو زمین پر دھرتے۔ پھر اُس پر ملزم کو لٹا کر موٹی موٹی لمبی لوہے کی میخوں سے ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور پیروں کے تلووں کو چھید کر لکڑی میں ٹھونک دیتے تھے پھر اُسکو زندہ جسم سمیت سیدھا کر کے زور سے گڑھے میں دھر کر گاڑ دیتے تھے۔ اور سارا جسم چار زخموں کے سہارے سے لٹکتا تھا جس سے جسم کا ایک ایک رگ و پٹھا تانت کی طرح کھنچ جاتا تھا۔ اس اذیت میں جسکے بیان سے ہر شخص جسکو ذرہ بھی اخلاص و عقیدت خدا کے نبی کے ساتھ ہے بیتاب ہو جاتا ہے مسیح نے جنکو قرآن روح اللہ یعنی خدا کی جان کے لقب سے یاد کرتا ہے پورے چھ گھنٹے رہ کر جان دی۔ مرزا لکھتا ہے "یہ نہایت صاف بات تھی کہ تین گھنٹے صلیب پر لٹکانے سے کبھی کسی کی جان نہ نکل سکتی" اصل میں وہ لوگوں کو دھوکا دے کر یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ گویا مسیح کو دشمنوں نے یکا یک چنگا بھلا پکڑ کر تین گھنٹے تک صرف ایک رسی سے باندھ کر لٹکا رکھا تھا اور اس لئے یہ وقت ایسی حالت میں موت کے لئے کافی نہیں ہوا۔ مگر ہم ثابت کر چکے کہ صلیب تک تو مسیح نیم مردہ پہنچے تھے اور مطلق کوئی حیرت نہ ہوتی اگر آپ کی جان کوڑے کھاتے ہوئے نکل جاتی۔ یا اُس وقت جب آپ زخمی پشت پر صلیب لادے لائے تھے یا جس وقت آپ کو صلیب پر ٹھونک رہے تھے یا صلیب دینے کے عین بعد ہی۔ مگر جب آپ پورے ۶ گھنٹے صلیب پر لٹک چکے تو سخت سے سخت منکر کو بھی موت کا یقین ہو گیا۔ پر مرزا کے انکار کا علاج ہم نہیں کر سکتے منکر نکیر کریں تو کریں:۔

سوم۔ نیزے کی ضرب کا کیا نتیجہ ہوا۔ مرزا لکھتا ہے "اس کی پسلی میں فقرہ نیزہ کا سرا چبھو دیا۔

گیا تو وہاں سے خون نکلا"۔ "زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تھا"۔ یہ "کہیں نہیں لکھا ہے کہ زخم بڑا گہرا تھا" ص ۱۹ و ۱۹۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ہر بُن مو سے جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولنے میں گویا بلبل ہزار داستان ہے ؂

انجیل کے الفاظ یہ ہیں "ایک سپاہی نے بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی" یوحنا ۱۹ باب ۳۴۔ اوّل تو لفظ چھیدنا استعمال ہوا جو خود زخم کے گہرے ہونے پر دال ہے۔ دوم آلۂ ضرب بھالا بتایا نہ کوئی سوئی یا سلائی اور یونانی لفظ کا اطلاق اُس لمبے نیزے پر ہوتا ہے جو سواروں کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ اور نیزے اور بھالے کی نسبت چھوٹا بولنا شاید قادیاں کے گنواروں کی زبان ہو۔ پس جو زخم ایسے آلہ سے لگایا گیا جس کی زد کے لئے کوئی روک بھی نہ تھی اُسکو خراش بلکہ محض کوئی چھوٹا سا خراش" بتلانا جھک مارنا ہے۔ سوم ضرب پسلی سے نازک مقام پر لگائی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی نے اپنے نیزہ کا پورا وار کیا اور ایک گہرا زخم لگایا جو اُسکا مقصود تھا۔ چہارم انجیل میں لکھا ہے کہ زندہ ہو کر مسیح نے اپنے شاگرد سے کہا "اپنا ہاتھ پاس لا اور میری پسلی میں ڈال" یوحنا ۲۰ باب ۲۷۔ جو زخم اِس طرح کا ہو کہ اُس میں ہاتھ ڈالا جاوے اُسکی نسبت یہ جھوٹ بولنا کہ "کہیں نہیں لکھا کہ زخم بڑا گہرا تھا" حق اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ ہم تو ثابت کر چکے کہ زخم نہ صرف بڑا گہرا بلکہ بڑا چوڑا بھی تھا اور ہم آگے چل کر ثابت کر دینگے کہ یہ ایک کاری زخم تھا جو دل تک پہنچا ہوا تھا۔ اور اگر بالفرض محال دوسرے صدمات جو اِس سے پہلے مسیح برداشت کر چکے تھے دراصل موت کے لئے کافی نہ بھی ہو چکے ہوتے تو صرف یہی زخم زندگی کو فنا کر دینے کے لئے کافی سے زیادہ تھا اور کوئی بشر اگر اُس میں سات جانیں بھی ہوں ایسے کاری و مہلک زخم سے جانبر نہیں ہو سکتا ؂

چہارم۔ دونوں چوروں کا جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے کیا حال ہوا۔ مرزا کہتا ہے "یہ قریب قیاس نہیں ہے کہ دونوں چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے وہ زندہ رہے مگر مسیح صرف دو گھنٹے تک مر گیا" "دونو چور صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے" ص ۳۵ کوئی

شخص وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ چور زندہ ہی اتارے گئے اور مرزا تو خود انجیل سے نقل
کر چکا ص ۲۵ کہ یہودیوں نے اس لحاظ سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہ جاویں
...... پلاطوس سے عرض کی کہ انکی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اُتاری جاویں" (یوحنا
۱۹/۳۱) جس سے مستنبط ہوتا ہے کہ وہ لوگ مر چکے تھے اور لاش ہو چکے تھے اور ٹانگیں انکی صرف
اس لئے توڑی گئی تھیں کہ شاید انکی جان ابھی ابھی نکلی تھی۔ اور سپاہیوں نے چاہا کہ اگر کہیں
چھپی چھپائی کچھ جان باقی رہ گئی ہو تو پتا لگ جائے اور وہ بھی بالکل فنا کر دی جائے اور
ہر طرح کا شبہ مٹ جائے کیونکہ اور زیادہ وہ لاشوں کو صلیب پر نہیں رکھ سکتے تھے۔

انسانی جسموں میں فرق

پر اگر یہی فرض کر لیا جائے کہ چور نہ مرے تھے تو بھی انکی سخت جانی کی مشابہت
مسیح میں ڈھونڈھنا پرلے درجہ کی حماقت و کور باطنی ہے۔ کیا قادیاں میں
سب دہقان و پیغمبر ہی ہیں؟ کیا انسانی جسموں میں سختی اور نزاکت کا فرق نہیں؟ کیا ہم
روزمرہ نہیں دیکھتے کہ نفیس و نازک طبیعتوں کو ذرا سی کرکری یا ذرا سی بدبو یا ذرا سی
بے سُری آواز یا گندگی کی ایک نظر بھی بڑے دُکھ کا باعث ہوتی ہے۔ مگر ایسے ناہنجار لوگ
بھی ہیں جو ایک ٹکے کے لئے اپنے جسم کو چاقوؤں سے کاٹتے ہیں اور آگ سے جلاتے اور
ہر طرح کے اکھوپن کرتے ہیں جنکو دوسرے لوگ دیکھنا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ پس
چوروں اور ڈاکوؤں کی سخت جانی سے جو قتل و غارتگری کے عادی تھے جو شبانہ روز
اس قسم کی تکلیفیں خود اٹھاتے اور دوسروں سے اٹھواتے رہتے تھے مسیح کا مقابلہ کرنا
صرف ایک کافرانہ بے بصری ہے۔ اعلےٰ درجے کی پاک اور مقدس روحوں کے لئے پروردگار
عالم نے اعلےٰ درجہ کے لطیف و پاکیزہ جسمانی مسکن بھی بنائے ہیں۔ اور اُنکے حواس خمسہ
جنکے ذریعہ رنج و خوشی کا احساس ہوتا ہے ایسے اعلےٰ منزل پر ہوتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں
اگر ایک بھونڈی طبیعت کا شخص نہ سمجھ سکتا ہو۔ پس جو ایذا انکو ایک چھڑی کی ضرب سے
پہنچ سکتی تھی وہ اوروں کو تلوار کے گھاؤ سے نہیں پہنچ سکتی۔ اور یہی تو وجہ ہے کہ نبی کو تھوڑی

سی ایذا دینا بھی اللہ کے یہاں قتل انسان سے بڑا سمجھا گیا۔ اور خود قرآن میں لکھا ہے
والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذاب الیم۔ اور مسیح کا تو حال ہی بالکل دوسرا
تھا۔ آپ نرالی صورت سے پیدا ہوئے انکے جسم کی نظیر دنیا میں موجود ہی نہیں جسطرح
دُکھ درد کا احساس انکو ہوا کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔ مرزا جی کی جہالت عجب شان کی ہے
عوج بن عنق سے بھی آپ کئی بالش اونچے ہیں۔

پنجم۔ مسیح کی موت پر عینی شہادت

مرزا کہتا ہے "مسیح صلیب پر نہیں مرا ...... بلکہ غش کی حالت ہو گئی تھی جو مرنے
سے مشابہ تھی" ص ۵۱ "یہودیوں نے مسیح کو غشی میں دیکھ کر سمجھ لیا کہ فوت ہو گیا" ص ۲۳۲
"سکتہ یا غشی کی حالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس
زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تھا" ص ۱۹۴

پلاطوس نے اپنے زمانہ کے قواعد و ضوابط کی پوری پابندی کے ساتھ مسیح کی
حقیقی موت کی تصدیق و تحقیق کر لی ایسی کہ اب کسی یاوہ گو کو مجال چون و چرا باقی نہیں رہی
چنانچہ جب ارمتیہ کا رہنے والا یوسف مسیح کی لاش مانگنے گیا تو "پلاطوس نے تعجب کیا کہ
وہ مر چکا اور صوبہ دار کو بلا کر اس سے پوچھا کہ کیا اسکو مرے ہوئے دیر ہو گئی جب صوبہ دار
سے حال معلوم کر لیا تو لاش یوسف کو دلا دی" مرقس ۱۵/۴۴ و ۴۵ یہ ان سپاہیوں کا افسر
تھا جو صلیب پر تعینات کئے گئے تھے جنہوں نے مصلوبوں کی حقیقی موت کا پورا پورا
امتحان کر لیا تھا۔ دو کی ٹانگیں توڑ دی تھیں اور ایک کی پسلی چھید کر دل تک چیر دیا
اور سکتہ یا غشی اور حقیقی موت میں امتیاز کر لینے کے لئے یہ عمل کیا تھا تاکہ مصلوبوں
کی موت میں کچھ دھوکا نہ رہ جائے۔ مگر مرزا پوچھتا ہے کہ کیونکر "ہم ایک جاہل پولس کے
آدمی کی رائے تسلیم کریں" ص ۱۹۴ اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ "عین صلیب کی گھڑی میں
ہی یسوع کے مرنے پر شبہ ہوا اور شبہ بھی ایسے شخص نے کیا جس کو اس بات کا تجربہ

کہ اس قدر وقت میں صلیب پر جان نکلتی ہے" ص۱۵ و ۲۰ یہاں مرزاجی نے بد دیانتی بھی کرنا
چاہی ہے وہ انجیل کی عبارت کو یوں نقل کرتے ہیں "پلاطوس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ
یعنی مسیح ایسا جلد مرگیا" ص۱۵ "شبہ کیا" یہ الفاظ اپنی طرف سے ملا دیئے اور "ایسا جلد"
کے لئے بھی کوئی لفظ اصل میں نہیں ہے اور اس پر زور نہیں دیا جا سکتا۔ مگر ہم کہتے
ہیں کہ شبہ تو کسی شخص کا بھی یہاں مفید نہیں۔ مگر یہاں تصدیق ضرور مفید ہے سو اگر آپ
کے گواہ پلاطوس نے بے سوچے شبہ کیا بھی تھا تو اس نے حقیقت امر دریافت کرکے
اپنے شبہ کو بالکل رفع کر لیا۔ اور پلاطوس کا یقین آپ کو جھوٹا بنا رہا ہے یہ یقین ایسے
شخص کا ہے جس کو پورے مواقع یقین حاصل کرنے کے بہم پہنچے ہوئے تھے اور "جو
عین صلیب کی گھڑی میں" تحقیق کے ذرائع کو عمل میں لایا تھا۔ پلاطوس کو اپنے ماتحتوں
اور کارکنوں کے حالات آپ سے زیادہ معلوم تھے۔ اُس نے اپنے معتمد افسر کے قول
کو حق مانا اور ماننا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ پلاطوس کا تجربہ صوبہ دار کے تجربے سے افضل نہ
تھا پلاطوس اپنے اجلاس اور محل میں حکم تشدد کا اختیار رکھتا تھا مقتلوں میں جلادی
کا کام نہیں کرتا تھا۔ ایسے موقعوں کا ذاتی اور عینی تجربہ صوبہ دار اور اُسکے ماتحت سپاہیوں
سے زیادہ کسی کو بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تصدیق کر چکا کہ "مسیح کو مرے ہوئے دیر ہوگئی"
اور اس کی تصدیق پر یہودیوں نے بھی صاد کر دیا اور پلاطوس نے بھی۔ اور اس کو
"جاہل پلیس کا آدمی" کہنا خود آپ کو جاہل ثابت کرنا ہے کیونکہ اپنے خاص فن میں
وہ جاہل نہیں تھا؛

مگر ایک طرفہ ماجرا ہے۔ مرزاجی یہ بھی لکھتے ہیں کہ "تمام واقعات خدا نے اس لئے
ایک ہی دفعہ پیدا کر دئے تا مسیح کی جان بچ جاوے اس کے علاوہ مسیح کو غشی کی حالت میں
کر دیا کہ تا ہر ایک کو مردہ معلوم ہو" ص۲۳۲ یعنی مسیح کو مردہ سا بنا دینا ایک الہی معجزہ تھا
"تا کہ ہر ایک کو مردہ معلوم ہو" پس اگر تمام جہان کے ڈاکٹر مسیح کی لاش کا معائنہ کرتے اور

انکے ساتھ آپ اپنے "حکیم الامۃ" کو بھی ڈیپوٹ کرتے تو حکم خدا یہ تھا کہ وہ سب کے سب یہی کہتے کہ اس لاشے میں جان نہیں یہ مردہ ہے۔ اس سے بڑھکر عینی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ تو خود آپ نے تسلیم کر لی اور کہہ دیا کہ جہان میں کوئی باقی نہ رہا تھا عالم ہو یا جاہل ڈاکٹر ہو یا سرجن جو مسیح کو بجز مردہ کے کچھ اور کہتا اور خدا کو منظور یہی ہوا۔ "تمام واقعات خدا نے اس لئے ایک ہی دفعہ پیدا کر دیئے" پس عینی مشاہدہ مسیح کی موت کا تو ہر ایک کو ہو گیا اور غشی کی حالت پر صرف ایک آپ کو اطلاع ہوئی ہے۔ اور اس غشی کا کوئی خارجی ثبوت آپ کے پاس نہیں اور اسی لئے آپ اس غشی کی نظیر ہم کو نہ دے سکے کہ غش کھا جانے کے بعد تین گھنٹے مسیح صلیب پر لٹکتے رہے تو ہوش نہ آیا۔ پہلو میں نیزہ مارا گیا تو ہوش نہ آیا۔ واقعی سچ ہے۔ اگر یہ غشی تھی تو اعجازی غشی تھی۔ یہ غشی موت کی تھی تا اللہ کا کہا پورا ہو "ہر ایک کو مردہ معلوم ہو"

ششم۔ خداوند مسیح کی موت پر طبی شہادت۔

دفعہ سوم میں ہم نیزہ کے زخم کا تذکرہ کر چکے۔ اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کاری زخم مسیح کی پسلی کو پھوڑ کر دل تک اتر گیا تھا اور ایسا زخم ہمیشہ مہلک ہوتا ہے۔ مرزائی اسکو نہیں ماننا چاہتے۔ کہتے ہیں "نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے۔ اور ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کیجاتی کہ وہ انسان کے بدن کی تشریح سے پورا واقف ہو" صفحہ ۱۹۵ معترض کس درجہ بد شعور و بد تمیز ہے اور ہر شخص کو بھی اپنی ہی مانند سمجھتا ہے۔ انسان کا دل جو شبانہ روز دھڑکتا رہتا ہے بدن کے کس حصّہ میں ہے اس کے لئے علم تشریح میں مہارت چاہیئے؟ یہ ہم نے آج ہی سنا ہے۔ پھر کتنا تعجب ہوتا اگر کسی رومی نیزہ باز سپاہی کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ انسان کے بدن میں نیزہ سے کون کون مقام کاری زخم پہنچانے کے ہیں۔ اور سپاہی بھی ایسا جو قتل گاہوں میں جلادی کا تجربہ رکھنے والا اور جسکا منصبی فرض یہی ہو کہ تحقیق کرلے کہ ملزم دراصل مر چکا۔ اور تعمیل حکم اور

موت کی باضابطہ رپورٹ کرے اگر اس سپاہی کو آپ نے اس معنی میں جاہل کہا کہ وہ اپنے فن سے ناواقف تھا تو آپ نے اپنی جہالت کو الم نشرح کر دیا۔ پس بھالے کو پسلی کی طرف چلانے سے یہی مقصود ہو سکتا تھا کہ دل تک پہنچا دے۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ یہ سپاہی نیزہ بازی میں ایسا خام نہ تھا جیسے مرزا جی علم مناظرہ میں ؎

پھر انجیل میں اس زخم کی نسبت لکھا ہے کہ "فی الفور اس سے خون اور پانی نکلا" یوحنا ۱۹/۳۴ مرزا صاحب یوں رقم طراز ہیں اور اپنی اس تحقیق پر نازاں بھی بہت ہوئے کیونکہ آپکا جہل مرکب ہے "لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تھا کیونکہ مرنے کے بعد خون جم جاتا ہے" ص ۱۹۴ حیرت ہے کہ ہزارہا دشمن صلیب کے گرد کھڑے ہوئے ہوں اور ایسی موٹی بات کو مشاہدہ کریں اور انکو گمان بھی نہ ہو کہ مسیح ابھی مرا نہیں ہاں کہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مرزا جی سے کہیں زیادہ ہوشیار و سمجھدار تھے۔ وہ اس خون کو مسیح کی یقینی موت پر شاہد سمجھے ؎

پھر آپ لکھتے ہیں "اگر زخم اس قدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تھا سوا اس کے کہ مرض استسقا ہوتا" ص ۱۹۴ آپ کو اور علوم کے ساتھ طب میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے ؎

"یہ خون اور پانی" جو کثیر مقدار میں مسیح کی پسلی کے زخم سے نکلا کیا تھا؟ کہاں سے آیا۔ اور اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کے لئے ہم صرف علم تشریح الاجسام کی سند ڈھونڈینگے اور مرزا جی کے خرافات کو اہل نظر پر ظاہر کرینگے۔ ڈاکٹر ولیم اسٹراوڈ۔ ایم۔ ڈی نے ایک ضخیم کتاب "مسیح کی موت کے جسمانی سبب" پر تصنیف کی جسپر سرگروہ اطبائے انگلستان سرجیمس سمپسن۔ ایم۔ ڈی نے دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے علم تشریح کے اصول پر بحث کرکے دکھلایا ہے کہ خداوند مسیح کی موت دل کے پھٹ جانے سے واقع ہوئی تھی اور بہت مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ جب انسان کو لگاتار جسم اور روح کو سخت صدمہ پہنچانے والی ایذائیں

برداشت کرنا پڑتی ہیں تو ایک نوبت ایسی آتی ہے کہ دل یکایک شق ہو جاتا ہے اور ایک چیخ کے ساتھ روح پرواز کر جاتی ہے ۔ چنانچہ انجیل نویس کا بیان بھی یہی ہے "پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر جان دیدی" مرقس ۱۵ ۳۷ ۔
ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ دل کے پھٹنے کے ساتھ ہی خون بکثرت کبھی کبھی ایک کوارٹ یعنی ۲۱ چھٹانک کی مقدار سے پیری کارڈیم یعنی اُس جھلی میں جو دل کو غلاف کئے ہوتی ہے جمع ہو جاتا ہے ۔ اور یہاں خون دو چیزوں پر جو اسکی ترکیب میں داخل ہیں منقسم ہوتا ہے ایک جزو کا نام کریسامنٹم ہے جو گاڑھا اور سرخ ہوتا ہے اور دوسرے کا نام سیرم جو سیال اور آبی رنگ کا ہوتا ہے اور عوام اِن دونوں چیزوں کو خون اور پانی ہی کہتے ہیں ۔ سپاہی نے موت کے واقعی ہونے کی تحقیق کی غرض سے یا اگر موت صرف ظاہری ہو تو زندگی فنا کر دینے کی غرض سے پس آکر نیزہ سے قلب کے موضع پر وار کیا اور بائیں پسلی کی (کیونکہ داہنے ہاتھ کا وار مقابل کے بائیں طرف لگتا ہے) زیریں حصہ میں ایک ترچھا زخم مارا جس سے پیری کارڈیم جو پسلی کے تلے کریسامنٹم اور سیرم سے پُر ہو چکی تھی کھل گئی اور زخم کے رستے کل مواد پانی کی سی دھار کے ساتھ جس میں پھٹکیدار خون ملا ہوا تھا بہ نکلا ۔ اور دیکھنے والے نے عوام کی زبان میں اسکو یوں بیان کر دیا کہ "فی الفور اُس سے خون اور پانی بہ نکلا" دیکھو صفحات ۹۹ ۔ ۸۷ ۔ ۵ طبع ثانی لنڈن ۱۸۷۱ء یہی وجہ ہے کہ کوئی واقفکار دوست یا دشمن نہیں گذرا جس نے مسیح کی حقیقی موت سے انکار کیا ہو ۔ اور کسی جاہل و نادان کی بات کا اعتبار نہیں ۔ مگر مرزا جی کا حافظہ درست نہیں ۔ اوپر تو وہ مسیح کی پسلی میں زخم کو بھی مان چکے گو اس کو صرف ایک کوئی چھوٹا سا خراش بتایا ۔ اور پھر اس زخم سے خون نکلنے کے بھی قائل ہو چکے گو اسکو بھی زندگی اور غشی پر دال کہا ۔ مگر اس سب کے بعد آپ نے ایک جگہ یہ بھی لکھ دیا کہ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے ۔ اگر انکو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا

تو اُسکی بجائے خود وہ ایک اور طریق اختیار کر لیتے" انکو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑ دیں اور اس قانونی حکم کے بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے" صفحہ ۱۹۴- کیا زبردستی ہے کہ سپاہیوں کے تئیں یہ اختیار تو مانے جاتے ہیں کہ پسلی میں نیزہ چبھو کر خون نکال دیں مگر یہ اختیار نہیں مانا جاتا کہ وہ نیزہ کو ذرہ اور رگیر کر دیں- تو کیا اُنکا ہاتھ آپ نے روک لیا تھا یا اُنکو قانونی حکم بھی دیا گیا تھا؟ کہ مسیح کی پسلی سے صرف خون نکال کر تمام لوگوں کو دکھلا دو "کہ وہ زندہ ہیں مرے نہیں" مگر اس کی نہ کسی حاکم نے باز پرس کی نہ دشمنوں نے شکایت جو مسیح کی موت کا فتوے حاصل کر چکے تھے- مرزا جی کو چاہئے کہ اب پہلو بدل دیں اس زخم سے بھی منکر ہو جائیں اور چوروں کی ٹانگیں توڑی جانے سے بھی- کیونکہ اگر مسیح بھی صلیب پر نہیں مرے تھے جیسا مرزا جی کو اصرار ہے تو لازم آئیگا کہ تینوں مصلوبوں کی ٹانگیں بالضرور توڑی گئیں اور قانونی حکم سے انحراف نہیں ہوا- اور مسیح نے بھی یقینی وفات پائی- صلیب سے اور پسلی کے زخم سے نہ سہی ٹانگوں کے توڑے جانے سے سہی- اور مرزا جھوٹے ثابت ہوئے جو کہتے ہیں کہ وہ ملکوں ملکوں سیر سیاحت کرتے ہوئے کشمیر تک پہنچے- بات یہ ہے کہ مسیح کی مخالفت میں مرزا جی دیوانہ ہو گئے ہیں- اُنکو کوئی قرینے کی بات سوجھتی ہی نہیں ؛

"سپاہیوں کو کوئی حکم" مصلوبوں کی ٹانگیں توڑنے یا نہ توڑنے کا نہیں ملا تھا- یہودیوں نے ایسی درخواست کی تھی- ٹانگیں دو مصلوبوں کی صرف اس لئے توڑی گئیں کہ کوئی شبہ اور دھوکا انکی موت میں نہ رہ جائے- چوروں کی موت میں سپاہیوں کو شبہ تھا "لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا (لاش کا خوب معائنہ کیا آیا کوئی آثار زندگی کے تو موجود نہیں اور انکو پورا لیقین ہو گیا کہ دیر ہوئی) "کہ وہ مر چکا ہے تو اُسکی ٹانگیں نہ توڑیں" (کیونکہ یہ عمل غیر ضروری تھا- جس میں صرف سپاہیوں کی تکلیف اور محنت متصور تھی) "مگر ان میں سے ایک سپاہی نے (جو شاید مرزا جی کی طرح عداوت میں تُلا ہوا تھا جسکو زندہ اور مردہ

میں امتیاز نہ تھا اور بڑا فکرمند تھا مبادا کوئی دھوکا رہ جائے) بھالے سے اسکی پسلی چھیدی" (اور اپنا اور دنیا میں اپنے تمام ہم خیالوں کا شبہ انذنک رفع کردیا) یوحنا (۱۹ باب ۳۴ و ۳۲) اسکا یہ فعل منشائے حکم قانون کے مطابق تھا کہ جسطرح ضروری اور مناسب ہو اس امر کا اطمینان کرلیا جائے کہ ملزم جسکو سزائے موت دی گئی واقعی مرگیا۔

ھفتم۔ مرزاجی کی ایک اور غلط بیانی کو بھی ہم فاش کرتے ہیں۔ اس ثبوت میں کہ "بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ عرصے صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہوگئے" وہ فاضل مورخ جوزیفس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ "اُس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر (کم ازکم ایک دن سے زیادہ عرصے سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کے لئے درخواست کی۔ اور وہ درخواست قبول ہوکر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچ گئی" صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۵۔ اس میں صرف ایک ہی فقرہ جو خطوط کے اندر ہے مرزاجی کے کچھ مفید ہوسکتا تھا مگر وہی فقرہ جھوٹ ہے پھر جوزیفس کا مصلوب کیونکر مسیح کی نظیر ہوسکتا ہے؟ اس کو کب کوڑے مارے گئے کب اسکی پسلی میں بھالا چھیدا گیا کب وہ گھنٹے صلیب پر لٹکا اور کب لوگوں نے اُسے مردہ سمجھا اور قبر میں رکھا +

یہاں مرزاجی نے ایک شرمناک جھوٹ بولا ہے۔ اس وقت جوزیفس کی تصنیفات کی پوری جلد مطبوعہ چارلس گرلفن ہمارے سامنے رکھی ہے۔ مورخ اپنی سوانح عمری کے آخر میں صرف اسی قدر لکھتا ہے کہ "طیطس قیصر نے مجھکو معہ سیریلیس کے ہزار سواروں کے ہمراہ موضع تھیکوا کو یہ دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا کہ آیا وہ مقام لشکر گاہ کے مناسب ہے اور جب میں لوٹا تو میں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی مصلوب کردئے گئے۔ انہیں کے درمیان تین میرے دوست نکلے"۔ اب مرزاجی بتائیں انکو کن واقعات سے شہادت ملتی ہے کہ یہ مصلوب "کم ازکم ایک دن سے زیادہ" صلیب پر لٹک چکے تھے؟ بلکہ یہاں تو برعکس یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ لشکر کے جوار میں کوئی موضع تھا جسکے دیکھنے کو گھوڑی کی سواری

پر جوزیفس گیا اور قیاس چاہتا ہے کہ جیسا دستور ہے صبح کے وقت ناشتہ وغیرہ کر کے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اُس وقت تک کوئی قیدی مصلوب نہیں ہوا تھا مگر جب چند گھنٹوں بعد واپس لشکر کو آئے تو یہ ماجرا دیکھا اور اُس نے فوراً اپنے دوستوں کی جان بخشی کرائی۔ مؤرخ یہی لکھتا ہے کہ "قیصر نے فوراً حکم دیا کہ وہ لوگ صلیب سے اُتارے جائیں اور اُنکے علاج میں انتہا درجہ کی ہمت صرف کیجائے۔ تاہم اُن میں سے دو تو طبیبوں کے ہاتھوں میں فوت ہوگئے اور صرف تیسرا بچ گیا۔" یہ تینوں مصلوب بالکل سادے طور پر صرف چند گھنٹوں کے لئے صلیب دئے گئے تھے جنکو اور کوئی زخم نہیں لگا تھا اور اُنکا علاج بھی علانیہ طور پر شاہی حکم سے بادشاہی طبیبوں نے کیا۔ اس پر بھی دو مرگئے اور بچ نہ سکے۔ یہ ایک لطف کی بات ہے کہ دوست اور دشمن اس واقعہ کو اِس امر کے ثبوت میں عموماً پیش کیا کرتے ہیں کہ باوجود اعلےٰ درجہ کی طبّی امداد کے صلیب کے مارے کا جانبر ہونا محال ہوتا ہے۔ اور مسیح کے حق میں یہ قیاس بالکل بیہودہ ہے کہ ایسے ایسے زخم کھا کر ۹ گھنٹے صلیب پر لٹک کر اور تمام لوگوں کے دیکھتے مرکر پھر بھی وہ قبر سے زندہ بچ گئے۔ مگر ہمارے مرزاجی تو اوندھی سمجھ کے ہیں۔ آپ نے اُسی واقعہ کو مسیح کے نہ مرنے کی دلیل ڈبل جھوٹ بول کر بنا لیا۔ ایک جھوٹ جوزیفس کے متعلق کہ اُسکے بیان سے مستنبط ہوتا ہے کہ مصلوب "کم از کم ایک دن سے زیادہ" صلیب پر لٹکے۔ دوسرا جھوٹ مسیح کے متعلق کہ "وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا" ص ۱۹۷ جتنے جھوٹ ہمارے مرزاجی نے اپنے پیٹ سے نکالے اتنا خالا بھی کسی نکڑی نے نہ تنا ہوگا۔ ہم نے یہاں خدا وند مسیح کی موت پر سے مرزاجی کے تمام فاسد اور باطل اوہام کو اُس سے زیادہ مضبوط دلائل سے رد کر دیا جن کے وہ مستحق ہو سکتے تھے۔

خداوند مسیح کی بعثت اور مرزا کا خبطِ کشمیر

خداوند مسیح کا زندہ ہو جانا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ خداوند مسیح کی حقیقی موت صلیب پر واقع ہو چکی تو اب ہم کو مطلق ضرورت نہیں کہ مرزاجی کی ایسی غیر متعلق اور لغو باتوں پر کچھ بھی التفات کریں جنکے ثبوت میں وہ انجیل شریف کی ایک آیت بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں کہ "مسیح کی قبر ایک وسیع مکان تھا" جس میں ایک ہوادار وسیع کوٹھا تھا جس میں ایک کھڑکی بھی" (ص۵۱ و ۵۳ و ۵۴ و ۶۶) جہاں دوستوں نے اُسکی خبرگیری کی اور سب علاج کئے" (ص۶۵) اور جہاں "اُسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیرِ علاج رہا" (ص۱۹۵)۔[1]

مرزاجی کا گلدستہ لغویات

[1] مرزاجی کی ایسی فاش غلط بیانیاں ایک دو نہیں بیسیوں ہیں جن سے ہماری بحث کو کوئی سروکار نہیں۔ مثلاً وہ لوگوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ گویا انجیل میں لکھا ہے کہ "مسیح کے مرنے پر یروشلم کے تمام مُردے جو آدم کے وقت سے لیکر مسیح کے وقت تک مر چکے تھے زندہ ہو کر شہر میں آگئے" اور گلی کوچوں میں وعظ کرتے پھرے۔ جلد اوّل۔ ص۳۴۲ جلد دوم۔ ص۱۹۹۔) "خدا تعالیٰ کا فرشتہ پلاطوس کی جورو کو نظر آیا"۔ ص۱۴۔ مرزا مجوسیوں کو جو زردشتیوں کی قوم ہے جنہوں نے مسیح کا ستارہ پورب میں دیکھا تھا "مشرقی اسرائیلی" بتاتے ہیں۔ (ص۱۳۱) جس سے اسکی مراد کشمیری ہیں۔ کہتے ہیں کہ "یہودیوں نے جسقدر نبیوں کے خون کئے انکا سلسلہ زکریا نبی تک ختم ہوگیا" (ص۱۵) اور انکو حضرت مسیح کے ہم عصر نبی یحییٰ کے قتل کا حال بالکل بھول گیا "مسیح نے بھیس بدل لیا" "باغبان کے کپڑے پہن لئے اُسی طرح شکل بنالی" ص۵۵ اور پھر اپنے دوران سفر۔ نو یا بیلس۔ اور مراق کی مغذرت میں خلاف واقع لکھتے ہیں کہ "مسیح پر بیماریاں اور عوارض معمولی لوگوں کی طرح آتے تھے" (جلد اوّل ص۳۶۶) حالانکہ مسیح کا ایک دن کے لئے کبھی سر بھی نہیں دُکھا۔ وہ تو سراپا شفا اور دوا تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی بڑھکر بیہودہ باتیں لکھی ہیں۔ کہتے ہیں "یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ یہ سب یسوع کے

اچھا صاحب وہ قبر تاج گنج کا روضہ سہی مگر مُردہ تو باغ عدن کی ہوا کھا کر بھی زندہ نہیں ہوتا۔ دھنتر اور جالینوس نے بھی مُردہ نہیں جلایا۔

پس اگر جیسا تم بڑی تاکید سے تسلیم کر رہے ہو واقع صلیب کے بعد مسیح پھر اپنے دوستوں کو نظر آئے۔ اُنکے ساتھ کھایا پیا رہے سہے۔ تو وہ ضرور زندہ ہو گئے اور مر کر اُٹھے اور ہم کو تمہارے مقابلے میں اسکے ثابت کرنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

مگر اس زندہ شدہ جسم کے بارے میں مرزاجی نے چند غیر متعلق شبہات اٹھائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "قبر سے نکلنے کے بعد (مسیح کے) جسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی" ص۵۵ "مسیح اُسی فانی اور معمولی جسم سے اپنے حواریوں کو ملا" "ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیح سے فانی جسم کے عادات ص۵ او رسونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور گلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریبا۔ ۷ کوس کے فاصلے پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے" "اسپر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد و تکلیف اُن کے

بقیہ حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں۔ یعنی سب یوسف اور مریم کی اولاد تھی "با وجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے پھر مریم راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آئی" (جلد اوّل ص۲۰۳ ہ) بھلا تم نے انجیل شریف کے کسی باب اور آیت کا توالہ دیا ہوتا جہاں یوسف کی دوسری جورو کا ذکر تھا اور خداوند مسیح کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں کا۔ بظاہر یہ حیرت کی بات ہے کہ جو شخص اپنے مُنہ میاں مٹھو مسلمانوں کا عظیم الشان امام بنے۔ (جلد اوّل ص۲۰۳) وہ ایسے لغو اباطیل زبان سے نکالے اور خدا کے بندوں سے نہ شرمائے توریت سے انجیل سے قرآن سے حدیث سے دینی و دنیوی تاریخ سے غلط حوالے دے۔ لکھا کچھ ہو بیان کچھ کرے۔

مرزاجی کے بھائی کی روح اگر یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے جب ہم یاد کرتے ہیں کہ مرزاجی کے کوئی مرحوم برادر بجاں برابر غلام قادر بھی ہیں جن کی روح خواب میں آپ کو سنایا کرتی ہے۔ اور وہی آپ کی ہر بے تُکی بات کے جوابدہ بھی ہیں یہ کوئی بڑے جن ہیں یہ جنوں نے کتب آسمانی میں تحریفیں کیں۔ محرّف نسخے تیار کیے اور مرزاجی کو دکھلا بھی دیئے۔ مجھکو انکا زیادہ حال تو معلوم نہیں ابھی صرف اس قدر پتا لگا ہے کہ قرآن میں اُنہوں نے ایک بہت بڑی تحریف

ساتھ تھے جس کے واسطے ایک مرہم بھی تیار کی گئی تھی۔ صفحہ ۱۵۵ ۔ سلے

کر کے کشف کی حالت میں مرزا جی کو پڑھ کر سنا دیا تھا۔ انا انزلناہ قریبا من القادیان اور پھر دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی عبارت لکھی ہوئی" اپنے نسخہ قرآن میں جو اُن کی تلاوت میں رہتا ہے دکھلا بھی دی (دیکھو ازالۃ الاوہام صفحہ) پس کیا عجب کہ یہ تمام جھوٹی باتیں بھی اُنہیں حضرت کی ساختہ پرداختہ ہوں جیسے کہ آپ مثیل مسیح ہے اسی طرح تائید روح القدس کی مماثلت میں آپ نے اِس قادر کو تلاش کیا اسی سے اشارہ "قادر مطلق" کی طرف ڈھونڈھا صفحہ۔ ہم بھی کہتے ہیں جیسی روح ویسے فرشتے۔ مگر مرزا کو جتلتے ہیں ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "دائیں جانب جگہ جھوٹ اور جھوٹوں کی ہوا کرتی۔ ہے اور عیسائی نہ اس انجیل کے قائل ہیں نہ مسلمان اِس قرآن کے جو آپ کے برادر عزیز دافر تمیز کی تلاوت میں رہا کرتے ہیں۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ عقل ونقل سے بحث کرنا کیوں نہ فضول ہو ہم تو اپنی کتابیں دیکھتے ہیں۔ اور اس کے حوالے مرزا غلام قادر کے اڈیشن پر مبنی ہیں۔

فخر دودمان یہاں ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی کہ مرزا جی کے قبلہ گاہ تو کوئی ایسے شخص گذرے کہ خود فرزند ارجمند اُنکی وفات پر گویا فرماتے ہیں ع اینچنیں مدِ زندگانی مُردہ بہ۔ پھر کوئی بھائی صاحب تھے جن کی نسبت آپ لکھتے ہیں "اور ایسا ہی میرا بھائی مجھے پیش آیا اور وہ اِن باتوں میں میرے باپ کے مشابہ تھا۔ پس خدا نے ان دونکو وفات دی۔ اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رکھا اور اُس نے مجھے کہا ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا تا مجھ میں خصومت کرنے والے باقی نہ رہیں"۔ کیونکہ یہ لوگ زندگی میں مرزا صاحب کی جان کو روتے رہے اور بے ادبی سے سمجھا گئے کہ آپ کام چور نوالہ حاضر ہیں جو صرف روٹی کھانے کا شریک ہو تا ہے" (الف اوکرشن۔ ریویو جلد دوم صفحہ)

اُنکو کیا خبر تھی کہ یہی فخر دودمان ہیں۔ اور جو عرفی نے کہا تھا آپ ہی پر صادق آتا ہے ع جوہر من کرد روشن گوہر آباے مرا۔ ہمکو ضرور کہنا پڑا ہے کہ اگر مرزا غلام قادر مرحوم کتابوں میں تحریف نہ کرتے تو بہت خوب آدمی تھے۔ ۱۲

سلے آپ یہ بھی لکھتے ہیں "قریباً ہزار طبی پرانی کتابوں میں ایک مرہم لکھی ہوئی ہے۔ جو مرہم عیلے اور مرہم حواریین اور مرہم شلیخا کے نام سے مشہور ہے اِن کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی۔" صفحہ ۱۹ جلد اول۔ اس قول کی لغویت بلا دلیل عیاں ہے۔ جب کتابوں

فانی اور جلالی جسم

ہمارا دعوےٰ صرف یہی تھا کہ مسیح کو صلیب دی گئی وہ مر گئے۔ پھر زندہ ہوئے اور اپنے شاگردوں سے ملے۔ پہلی اور چوتھی بات کو تم خود مانتے ہو دوسری کو ہم نے ثابت کر دیا اور تیسری بات تمہارے اقرار اور ہمارے اثبات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اب "فانی" اور "جلالی" جسم۔ یہ بالکل ایک دوسرا مسئلہ ہے جسکا حل کرنا ہماری بحث کے لئے لازمی نہیں۔ مگر تمہاری خاطر ہم یہ بھی روا رکھتے ہیں۔ جسم سب فانی ہیں بلکہ ایک معنی میں رُوح بھی فانی ہے۔ خدا نے روح پر سے فنا کا حکم ہٹا دیا اور وہ غیر فانی بنگئی اسی طرح بہشتیوں کے جسم پر سے بھی خدا فنا کا حکم ہٹا کر اس کو جلالی جسم کر دیگا۔ مگر ہم کو بالکل نہیں معلوم کہ فانی اور جلالی جسم کے درمیان کونسی "عادات" مشترک ہیں۔ قرآن میں لکھا ہے اِنَّ اللّٰہ یبعث من فی القبور "بیشک اللہ لوگوں کو قبروں سے اٹھائیگا" و انہ یحی الموتیٰ "اور وہی جلائیگا مُردوں کو"۔ پس مسیح جو مر چکے تھے اُنکو خدا نے جلا دیا۔ جو قبر میں داخل ہو چکے تھے اُنکو اٹھا کھڑا کیا اور یہی ہمارا ایمان ہے "بیشک مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھا اور اُن میں سے جو (موت کی نیند) سو گئے تھے پہلا پھل ہُوا" اور اسی وجہ سے قیامت اور حشر کا علم حشر کے بعد ایمانداروں کے جسم جلالی ہو جائینگے اس میں نہ کسی مسلمان کو شبہ ہے اور نہ

(بقیہ) کا نام صفحہ و سطر بتا کر آپ سینکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں تو بلا نام و نشان کتابوں کے حوالے سے آپ نے کیا کچھ نہیں بکا ہوگا آپ کے تمام "فاضل" مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں؟ مسیح کے زخموں کا حال صرف تین ہی فرقوں کو معلوم ہو سکتا تھا یا یہودی یا عیسائی اور یہ دونوں زخموں کے قائل ہیں مگر مرہم کے نہیں۔ یا مسلمان اور یہ دونوں باتوں کے منکر ہیں۔ پس وہ کون لوگ تھے اور کس بنیاد پر لکھ گئے کہ "مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی" اب رہی یہ بات کہ کسی مرہم کا نام مرہم عیسےٰ یا مرہم شلیخا رکھا گیا تھا تو دور کیوں جاتے ہو خود پنجاب میں علاوہ آپ کے پیٹنٹ کے "عرق مسیحا" اور "معجون مسیحائی" کے اشتہارات چھپ رہے ہیں۔ ہر حاذق طبیب کے علاج کو مسیحائی کہتے ہیں۔ شعراء نے معشوقوں کو مسیحا دم اور عیسےٰ نفس باندھا ہے۔ پس اگر زمانہ سلف کے کسی مالوف مرہم کا نام مرہم عیسےٰ رکھا گیا تھا تو اُس سے یہ سمجھ لینا کہ اسکو عیسےٰ نے تجویز کیا اور حواریوں نے مرکب کیا سوائے حماقت اور بلاہت کے کچھ نہیں مگر ہم سمجھ گئے مطلب سعدی دیگر است۔ مثیل مسیح بننے کے لئے گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح اور انکے حواریین بھی ہماری طرح ایک پاکٹ کیس ادویات باندھے پھرتے تھے۔ خوب ع گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔

کسی عیسائی کو پس مسیح کے زندہ جسم کے "جلالی جسم" ہونے میں کیوں شبہ کیا گیا؟ اس پر بھی ہم کو تعجب آتا ہے کہ کوئی مسلمان اہل قرآن کُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا پر ایمان لاکر "کھانے اور پینے" کو جلالی جسم کے منافی بلکہ "غیر ممکن اور نامعقول بات" بتاوے۔ شاید نعمائے جنت سے وہ منکر ہو گیا؟

خداوند مسیح کے زندہ شدہ جسم کے خواص کی بابت مرزا نے ایسی غلطیاں کی ہیں جو خود اسکے مقبولہ خیال کی ضدمیں ہیں۔ جب جمعہ کی شام کو مسیح قبر میں در آئے اور حالت غشی میں تین رات دن یونس کی طرح بے آب و دانہ قعر زمین میں رہے اور تیسرے دن یعنی اتوار کی صبح کو کیوں کہ تازہ زخم موجود تھے جنسے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُنکے ساتھ تھی اور زخم بھی کیسے کہ میخوں کے وارپار۔ پاؤں کے تلوؤں میں۔ تو ایسے زخمی شخص کے لئے "جلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ستر کوس کے فاصلے پر تھا" کسی باہوش شخص کے ذہن میں کیسے آسکتا ہے؟ زخمی و مجروح پیر اور ستر کوس "پاپیادہ" مسافت صد۳۶ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن اسی کو کہتے ہیں محض اس ایک واقعہ سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اب مسیح کا کوئی فانی اور معمولی جسم نہیں تھا۔ یہ زخم ظاہری تھے بے درد اور بے تکلیف "یہ جلالی جسم پر بطور علامات شہادت نمودار تھے اور دکھلا رہے تھے کہ آپ کے مبارک جسم میں کوئی بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔

ہم افسوس کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں ایک ایسا "عظیم الشان امام" ہوا جو اس درجہ جاہل و نادان نکلا کہ اس کو نہ عیسویت کی حقیقت سے آگاہی نہ اسلام سے وقوف اور پھر بھی دعوے ہمہ دانی۔ ابھی اُس نے کھانے پینے کو جلالی جسم کے منافی کہا تھا اور اب مسیح کے زخموں پر اعتراض کرتا ہے کہ "نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا" صد۱۸۱۔

مسیح کے زخموں کی حقیقت بخاری ومسلم میں حضرت سے روایت کی گئی ہے کہ شہداء قیامت کو اپنے زخم جسم پر لئے ہوئے اٹھینگے مَا مِنْ مَكْلُومٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَكَلْمُهُ يَدْمَى اللَّوْنُ دَمٍ وَالرِّيحُ مِسْكٍ (مشارق الانوار نمبر ۹۲۰) کوئی

زخمی ایسا نہیں جو اللہ کی راہ میں گھائل ہوا ہو مگر وہ قیامت کے دن زخم بہتا آئیگا رنگ اُسکا رنگ خون کا ہوگا اور بو اُس کی مُشک کی۔ کون زخم مسیح کے زخموں سے زیادہ خدا کی راہ میں لگے؟ پھر کیوں تعجب کیا جاتا ہے کہ اپنی قیامت میں مسیح اپنے زخموں کو جسم پر لئے ہوئے اٹھے؟

انجیل کی شہادت صرف اسی قدر ہے کہ مسیح کے جسم پر پانچ زخم و ہاتھوں میں دو پاؤں میں اور ایک پسلی میں موجود تھے جن کو انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھلایا اور جن کی وجہ سے اُنہوں نے آپکو پہچانا کہ آپ ہی جسم کے ساتھ جی اُٹھے۔ مگر ان زخموں میں نہ کوئی درد تھا نہ تکلیف نہ اُن سے خون جاری تھا اور نہ وہ کسی مرہم کے محتاج تھے ؛

یہ سچ ہے کہ زندہ ہو جانے کے بعد خداوند مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ کھایا پیا مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ آپ کو کبھی بھوک یا پیاس لگی یا "بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی" جیسا مرزاجی نے لکھا ص ۱۵۔ صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی حقیقی لعثت کو اپنے شاگردوں پر ثابت کر دینے کی غرض سے تاکہ اُنکے تمام شک و شبہ دور ہو جائیں آپ نے انکی تسکین کی خاطر انکے ساتھ کھانا کھایا (دیکھو لوقا باب ۲۴ آیت ۴۳)۔ یہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ دراصل بھی آپکو جسمانی غذا کی احتیاج تھی ؛

مسیح کے زندہ شدہ جسم کی تبدیلی

اب رہا سونا۔ سو انجیل میں کہیں نہیں لکھا کہ بعد زندہ ہونے کے آپ کبھی سوئے بھی جیسا مرزا کو اصرار ہے۔ یہ قول بھی مرزاجی کا بالکل باطل ہے کہ "قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کے جسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی"؛

ایک تبدیلی پر تو وہ خود شاہد ہیں کہ ایسے بڑے زخم پاؤں کے تلووں پر لئے ہوئے مسیح "پاپیادہ ۷۰ کوس کا سفر کر گئے اور نہ کوئی تھکان پیدا ہوا نہ ماندگی۔ کیا یہی فانی اور معمولی جسم کے آثار ہیں ؟ پھر لکھا ہے کہ مسیح اپنے شاگردوں کے ساتھ قصبہ عمواس میں ایک مکان کے اندر دستر خوان پر بیٹھے تھے کہ یکایک "وہ انکی نظر سے غائب ہوگیا" (لوقا ۲۴/۳۱)۔ کہئے کیا لطافت بھی معمولی جسم کا خاصہ تصور کیا گیا ہے ؟

پھر لکھا ہے کہ ایک مکان کے اندر شاگرد جمع تھے جسکے "دروازے یہودیوں کے ڈر سے بند تھے
مگر دروازہ بند ہی رہا" یسوع آکر بیچ میں کھڑا ہوا" اور ایسا ہی ایک اور دفعہ مسیح بند دروازوں میں سے
سے شاگردوں کے درمیان آگئے یوحنا ۲۰: ۱۹ و ۲۶ تو کیا یہ بھی فانی معمولی جسم کی کوئی خاصیت سمجھا
اب کہئے آپکا وہ سخن کیسا لغو تھا کہ مسیح "بغیر پتھر کے ہٹائے جانے کے باہر (قبر سے) نہ نکل سکتا تھا"
صہ ۵۵ پتھر اس لئے ہٹایا گیا کہ مسیح کے دوستوں کو قبر تک رسائی ہوسکے ورنہ اس جلالی جسم کے
لئے لکڑی اور پتھر کچھ سدِ راہ نہ تھا۔ پھر اسکے بعد رفع آسمانی کی بابت لکھا ہے کہ "انکے دیکھتے دیکھتے
اوپر اٹھایا گیا اور بدلی نے اسے انکی نظروں سے چھپا لیا" (اعمال ۱/۹) یہ کس جسم کی تعریف ہوئی؟
پھر کئی برس بعد دن دوپہر بڑی چکا چوند والی تجلی کے ساتھ آپ مقدس پولوس پر ظاہر ہوئے
اور ان سے ہمکلام ہوئے (اعمال ۹ و ۲۲) کیا تم اب بھی جلالی جسم کے قائل نہ ہوسکے؟

او بماند دور از مطلوب خویش — سعی ضائع رنج باطل پائے ریش

مرزا کا خبط کشمیر (افشائے راز مزار خان یار) نوٹووش روسی سیاح نے یہ
افسانہ گھڑا تھا کہ لداخ میں سفر کرتے ہوئے میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور میں نے ہمس میں لاماؤں
کی خانقاہ میں پناہ لی وہاں لاموں نے میرا علاج کیا اور میں اچھا ہوگیا۔ وہیں مجھ کو خبر لگی کہ
نوٹووش روسی کا افسانہ اس خانقاہ کے کتبخانہ میں ایک بہت قدیم قلمی نسخہ ہے جس میں یسوع بیٹے کی
سرگذشت درج ہے کہ کیونکر بعد بلوغ وہ ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے۔ کاشی جی میں باس
کیا وہاں برہمنوں سے علوم حاصل کئے اور پھر تبت لوٹ آئے۔ جہاں بدھوں نے آپکو بدھ کا
ایک اوتار مان کر قبول کر لیا بعد ازاں آپ اپنے ملک یہودیہ کو واپس گئے اور وہاں دشمنوں
کے ہاتھ سے شہید ہوگئے۔

نوٹووش نے کہا وہ نسخہ میں نے دیکھا۔ اس کا ترجمہ کرایا اور اب یورپ کی زبانوں
میں اسکو شایع کرتا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ تبت کے لاما بھی یسوع بیٹے کو ہمیشہ سے جانتے ہیں
اور انکے نام سے خوب واقف۔ مگر پیش بندی اور چالاکی سے اس نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ وہ

لوگ کسی اور کو اپنی کتاب نہ دکھائینگے اور اگر کوئی اِس بارہ میں اُن سے استفسار کریگا تو وہ صاف انکار کر جائینگے۔ کیونکہ وہ کسی یورپین سے بات بھی نہیں کرتے۔ میں نے تو بڑی حکمت عملی سے انکا یہ دینی راز پایا ہے (اِس وقت یہ بیان میں اپنی یاد سے لکھتا ہوں نوٹوو ش کی کتاب میرے پاس موجود نہیں)۔ یورپین محققین نے موقع پر جا کر تفتیش کی اور بالکل ثابت ہو گیا کہ نہ نوٹو وش لداخ گیا نہ ہمس میں ٹکا نہ اس خانقاہ میں کوئی اُسے جانے۔ نہ وہاں کوئی ایسا کتب خانہ ہے۔ نہ لاما عیسٰے کے معتقد ہیں نہ انکے پاس کوئی سوانحعمری مسیح کی موجود ہے۔ نوٹووش نے روپیہ کمانے کو ایک ناول لکھکر شائع کیا اور جہاندیدہ بسیار گوید دروغ کا نمونہ دکھلایا تھا اب اُسی پرانے مضمون میں تصرف کرکے ہمارے مرزا جی نے اپنا قصہ بنایا مگر بہت ہی نکما۔ اور یہ دعوے کیا کہ

مرزا جی کے دعاوی (۱) ”نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہو گیا کہ پھر مسیح سیر کرتا ہوا کشمیر میں آیا (۲) باقی حصہ عمر کا کشمیر میں بسر کیا“ جلد اوّل صہ ۲۲۴ (۳) ”اپنی اُن قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں“ یعنی (۴) بنی اسرائیل ”جو مسیح سے ۷۲۱ برس پیشتر ہندوستان کی طرف آکر اِس مُلک کے متفرق مقامات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے“ صہ ۵۹ (۵)۔ ”مسیح نے جب ملک پنجاب کو اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تو اِس ملک میں خداتعالے نے اُنکو بہت عزت دی“ صہ ۲۲۳۔ (۶) ”لاکھوں انسانوں نے اِس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے“ صہ ۲۲۳ (۷) ”چونکہ حضرت مسیح کی دعوت میں آنے والے نبی کے قبول کرنے کے لئے وصیت تھی اس لئے وہ دس فرقے جو اِس مُلک میں آکر افغان اور کشمیری کہلائے آخر کار سب کے سب مسلمان ہو گئے“ صہ ۲۲۳ +

لہ جب ہمارا یہ مضمون چھپ چکا تو ایک دوست کی عنایت سے مرزا صاحب کا راز حقیقت ہمارے ہاتھ لگا۔ اِس میں آپ فرماتے ہیں ”حال میں جو ایک روسی سیاح نے ایک انجیل لکھی ہے جسکو لنڈن سے میں نے منگوایا ہے دیکھی اس میں ہم سے متفق ہے“ صہ ۱۔ یہ کہتے شرم آتی ہے کردہ ہمارا ہمیر دستگیر ہے۔ اُسی کی کتاب سے آپ یہ منقول بھی تحریر فرماتے ہیں ”یہ بات یقینی اور پختہ ہے کہ بدھ مذہب کی کتابوں میں عیسٰے مسیح کے اِس ملک میں آنے کا ذکر ہے“ صہ ۱۔ اتمام حجت کو ان کتابوں اور کتبخانوں کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ وہ عنقا کے ساتھ کوہ قاف میں ہیں ؛

یہ سات متفرق دعوے مرزا جی نے کئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دعوے کے لئے آپ نے کون کون سے "مضبوط دلائل" دئے ہیں *

دعوے نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۵ کے لئے آپ "مضبوط" کیا معنی کوئی کمزور دلیل بھی نہیں لائے حالانکہ نمبر ۵ آپ کے بے دلیل دعووں کی کل بنیاد ہے اور صرف اسی حرص میں کیا گیا کہ قادیان بھی کسی طرح اُس خطے میں آجائے جس پر مسیح کے مبارک و مقدس قدم پڑے تھے۔ مگر مرزا جی کو کم سے کم مقامی جغرافیہ تو پڑھ لینا چاہئے کہ پنجاب اسم بامسمیٰ ملک صرف وہ حصہ ہندوستان کا ہے جو زیر کوہ پانچ دریاؤں کے بیچ واقع ہے اور کشمیر سے بالکل جدا۔ مگر آخر یہ طوالت و بیتری کیوں؟ مرزا غلام قادر کو چاہئے تھا کہ کشف میں وہ آپکو نقشہ ہندوستان دکھلا کر انگلی سے بتا دیتے کہ آپ کا دولت خانہ عین اُس جگہ کے بیچوں بیچ کے درمیان واقع ہے جہاں حضرت مسیح ٹھیرے تھے۔ اور قادیاں کا دوسرا نام سری نگر ہے *

دعوے نمبر ۴ کا پہلا حصہ تو مسلمانوں کا اعتقاد ہے جس کے لئے ہم کوئی دلیل نہیں طلب کر سکتے مگر اسکو دوسرے حصے کے ساتھ لفظ "اس لئے" سے ربط دینا دلیل کا ضرور محتاج ہے مرزا جی کو ثابت کرنا چاہئے کہ افغانوں اور کشمیریوں کے اسلام قبول کرنے کا باعث یہی تھا کہ انکے پاس حضرت مسیح کی وصیت آنے والے نبی کے حق میں موجود تھی۔ کیونکہ بلا ایسی وصیت کے بھی اسلام قبول کیا جا سکتا تھا *

مرزا جی مشکل میں پھنسے یہ دعوے ثابت تو ہو نہیں سکتا مگر اس سے آپ کی مشکلیں بہت بڑھ گئیں۔ جب کشمیری اور افغان بنی اسرائیل ہوئے اور انہوں نے لبیک کہکر اپنے مثیل مسیح کی رسالت پر سو جان سے قربان کر دیا اور اسلام کی آمد تک سچے عیسائی بنے رہے بلکہ نبی موعود کے حق میں مسیح کی وصیت کو بھی رکھا کئے تھے کہ انکو قبول کر کے مسلمان بھی ہو گئے تو ثابت ہو گیا کہ اسلام اور عیسویت کے درمیان ایک پورا ایکا اور لگاتار سلسلہ اُنکے ہاں رہا۔ پس اُنکے پاس سے اسلام میں وہ انجیل بھی آنا چاہئے جسکی تصدیق قرآن شریف

کی جو دست بدست ایمانداروں سے ایمانداروں کو پہنچی تا آپکو اُن اناجیل کا رونا باقی نہ رہے جو بقول جناب "اس قدر پایۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں" اور آپ کے ہاتھ میں کوئی معتبر انجیل آجاتے۔ کیونکہ اگر اتنا کام بھی مثیل مسیح نے نہ کیا تو ڈوب مرنے کی بات ہے۔ حیرت ہے کہ مرہم عیسےٰ تو آپ نے ڈھونڈھ نکالا مگر انجیل عیسےٰ کا پتہ نہ لگایا۔ پھر انہیں لوگوں کے ہاتھ سے ہم کو حضرت مسیح کی صحیح احادیث بھی ملنا چاہئے اور قادیانی مدعی کے حق میں مسیح کی بشارات بھی۔ پھر کشمیریوں اور افغانوں نے جسطرح آنے والے نبی" کو بلا عذر قبول کر لیا اسی طرح وہ آنے والے مثیل کا خیر مقدم کرنے کے لئے چشم براہ بیٹھے ہوئے ملینگے۔ تو پھر اے مرزا۔ تم سچے اسرائیلیوں سچے عیسائیوں اور سچے مسلمانوں کے دیس یعنی افغانستان سے کیوں دور ہو؟ مسیح تو دور دراز سفر اختیار کر کے ان لوگوں کے پاس آئے اور تم پاس بیٹھے ہوئے اُن سے اسقدر کیوں دور ہوتے ہو؟ کیوں تمہاری دعوت کی آواز کابل میں نہیں سنائی دیتی؟ کیوں تم کو ان لوگوں سے گریز ہے تم ہے تم اسی بات میں مثیل مسیح ہونا دکھلاؤ کہ جسطرح اصل مسیح کو افغانوں نے قبول کر لیا اسی طرح اور تم کو تو اس قوم کی "خرمی و ابلہی وجبن" سے زیادہ امید رکھنا چاہئے۔ علاوہ بریں اب تو مسلمانوں کی طرف سے تم کو پچاس ہزار کا انعام بھی دیا جاتا ہے اس شرط پر کہ تم کابل ہو آؤ۔ مگر شاید تم کو خطۂ پاک پنجاب سے جسکو مسیح نے "اپنی تشریف آوری سے فخر بخشا تھا" مفارقت گوارا نہیں اور مسیحی سلطنت میں صلیب کے سایہ تلے مرنے کو سعادت دارین سمجھتے ہو۔ اسیوجہ سے تم نے اسلام کا سب سے بڑا فرض لِلّٰہِ علی الناس حج البیت ترک کیا اور اسی لئے مسیح موعود بنکر اپنے نبی کو جھٹلایا جس نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا و الذی نفسی بیدہ لیُہِلّن ابن مریم بفجّ الرّوحاء حاجًا مسیح ضرور حج کرینگے (مسلم کتاب الحج) افسوس تمہارے دعووں پر۔ واویلا ان پر جو اسلام کا دم بھرتے ہوئے انکو قبول کر لیتے ہیں۔

دعوے نمبر ۳ کی دلیل صرف یہ ہے کہ برنیر وغیرہ علماء فرنگ کا خیال ہے کہ کشمیری یہودی ہیں۔ صنا تو پھر اس میں آپکا کیا احسان اور اس کو آپ کی نغو بکواس سے کیا علاقہ؟ کہ مسیح اور

انکی والدہ کشمیر کو آئے انکو عیسائی کیا انکے درمیان رہے اور حضرت مسیح نے ۱۲۵ برس کی عمر پاکر خان یار میں انتقال فرمایا اور دفن ہوئے اور وہاں کا روضہ آپ کی قبر ہے - بھلے آدمی - کچھ آگلا پیچھا بھی سوجھتا ہے - مجھے آج تک نہ معلوم ہوا کہ میرے مقدمات کیا ہیں اور کیا نتیجہ نکالتا ہوں ؟ یہ بڑی دل لگی کی بات ہے کہ تمام دعووں کی دلیل کا خانہ تو آپ نے بلحاظ بلکہ یعنی خالی رکھا اور اس میں جلی قلم سے لکھدیا "نہایت مضبوط دلائل سے ثابت ہوگیا" نہ صرف دلیل سے بلکہ دلیل کی جمع دلائل سے - اور دلائل کیسے کہ مضبوط - اور مضبوط کے لئے بھی ایک صفت لائے "نہایت" اور پھر "ثابت ہوگیا" وہ کیسے جیسے گدھے کے سر پر سینگ - اب ساری ہمت آپ نے "قبر مسیح کشمیر" پر صرف کردی اس کے دلائل سنئے -

بوسیدہ کتابیں | **پہلی دلیل** "پرانی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جو اس قبر کا حال بیان کرتی ہیں" جلد اول صہ ۱۹۷ +

ارے میاں وہ کون کتابیں ہیں اور کب اور کہاں اور کسکو دستیاب ہوئیں ؟ انکا مصنف کون ہے اور پھر وہ کتنی پرانی ہیں ؟ وہ اصلی یا جعلی ہیں اور اسکا ثبوت کیا ؟ ان باتوں میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دیا جاتا - مگر ہم کو اندیشہ ہے کہ مرزا جی کا کوئی خلیفہ کسی آیندہ نمبر ریویو میں لکھ دے کہ "جواب کیوں نہیں - ان میں سب سے معتبر اور پرانی کتاب کا نام سلسلین بین المفتنین ہے - جو حضرت ملا دوپیازہ نور اللہ مرقدہ کو اس وقت دستیاب ہوئی تھی جب وہ اکبر بادشاہ کے ساتھ کشمیر کو آئے تھے - اور اب وہ شیخ جعفر زٹلی طاب ثراہ کے کتب خانہ میں رکھی ہوئی ہے جسکا جی چاہے دیکھ آئے - ایک لاکھ سے زیادہ لوگ اس کو پڑھ چکے اور اس کی ایک نقل مطابق اصل غلام قادر کی روح کے پاس بھی ہے جو نہ مانے مباہلہ کرلے "

مٹے ہوئے کتبے | **دوسری دلیل** "پرانے کتبے کے دیکھنے والے بھی شہادت دیتے ہیں کہ یہ یسوع مسیح کی قبر ہے" وہ کتبہ کہاں ہے ؟ کس زبان میں لکھا ہوا ہے اسکا مضمون کیا ہے اور کس نے اسکو پڑھا اور اسکے پرانے ہونے کی کیا دلیل ہے ؟

پہلے سوال کا جواب مرزاجی نے یہ دیا تھا کہ "وہ خان یار کی" قبر کے اوپر ہے"[۱]
جب محققین نے لوگوں کو بتلایا کہ مفروضہ "قبر کے اوپر" کوئی بھی کتبہ نہیں تو مرزا دم بخود ہو گئے مگر انکے مریدنے یہ فرمادیا کہ "یہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلے پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے" صہ٤٢ اب سری نگر میں رہنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ وہاں قرب جوار میں کسی کوہ سلیمان کا وجود بھی نہیں پس وہ قلعہ اور اُسکے اندر کا پڑا ہوا کتبہ سب مرزاجی کے دوران سر کے نتائج ٹھیرے۔ ہمارے باقی سوالوں کا جواب مرزاجی نے یہ دیدیا اور ہم اُن کے مشکور ہوئے کہ کتنے پر کا "نوشتہ اب مٹ گیا"! اچھے موقع پر حرف غلط کی طرح یہ نوشتہ مٹ گیا کہ یاروں میں بات رہ گئی۔ بھلا ہم کیسے مانیں کہ ایسے عزیز الوجود کتبے کو مرزاجی کے مریدوں نے کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعے کے اندر پڑا رہنے دیا ہوگا۔ اسکو سر و آنکھوں پر لاکر دارالامان قادیاں میں جہاں عقل و نقل کے کسی فتنہ کی گذر نہیں مرزاجی کے گھر پہنچا دیا ہوگا۔ تو وہ سِل جس پر برسوں مرزاجی کے گھر میں مصالح پسا اور جو بہت کچھ گھس گئی ہے وہ یہی کتبہ ہوگا۔ بھلا پتہ کیسے نہ لگتا؟[۲]

کئی لاکھ چشم دید گواہ

تیسری دلیل "سرینگر اور اُس کے نواح کے کئی لاکھ آدمی ہر فرقے کے بالاتفاق گواہی دیتے ہیں کہ صاحب قبر عرصہ انیس سو سال کا ہوا ملک شام کی طرف سے اس ملک میں آیا تھا" جلد ا صہ ۱۹ +

ان گواہوں کو آپ بتلادیجئے کہ حضرت مسیح کو پیدا ہوئے ۱۹ سو برس ہو گئیں پس کشمیر میں آنے

---

[۱] مرزاجی اپنے انگریزی دو ورقہ اشتہار (جس میں خود بدولت اور خان یار والی قبر کے فوٹو بھی دیئے ہیں) صفحہ اول میں لکھتے ہیں لوگوں نے اپنی ہی آنکھوں سے ایک پُرانا لیکن اب مٹا ہوا نوشتہ قبر کے اوپر پڑھا ہے۔ نوشتہ تو قبر کے اوپر بیان کیا گیا اور اسکے پُرانے ہونے کی یہ دلیل بہت معقول ہے کہ وہ مٹا ہوا ہے۔ مگر اس کی کوئی دلیل مرزا نے نہ دی کہ جن آنکھوں نے اس کو پڑھا وہ چوپٹ تہیں تھیں ÷ [۲] ناظرین ابھی اور کتبوں کے لئے آپ تیار رہیں کیونکہ راز حقیقت میں مرزاجی اعلان دے چکے ہیں کہ "غالباً اس مزار کے ساتھ کچھ کتبے ہونگے جو ابھی مخفی ہیں"۔ "غالباً دفینے کے طور پر اس قبر میں بعض چیزیں مدفون ہونگی" صہ ۱۸۔ یہ دو غالباً فائدہ یقیناً کا دیتے ہیں ÷

کے لئے کم سے کم ۵۰ برس تو ہونا چاہئے۔ کیا گواہ آپ کے یہ سمجھے کہ مسیح کشمیر میں پیدا ہوئے ؟

اب راز حقیقت میں ان گواہوں کی گپ سنئے "قریباً ۱۹۰۰ برس سے یہ مزار ہے" صہ ۱+

انیس سو برس تو مسیح کو پیدا ہوئے گذرے ۱۲۵ برس آپ کی عمر ہوئی اور ۱۹۰۰ برس سے قرار موجود ہے تو سوا سو برس قبل وفات مسیح کے مزار بن گیا" اور یہی معتبر لوگوں کی شہادت ہے"۔ کس مسخرے نے ان بیوقوفوں کو ۱۹۰۰ کا عدد رٹا دیا ہے۔ اگر ہم ان پر جرح کرتے تو یہی کہہ دیتے کہ "۱۹۰۰ برس سے ہم اسکو دیکھتے بھی آئے ہیں"۔

گواہوں نے تو آپ کے جھوٹ بولا گر ہم سچ کہتے ہیں کہ "کئی لاکھ آدمی ہر فرقے کے بالاتفاق اور کشمیر کے رہنے والے بالخصوص" اس دروغ بے فروغ پر جو کچھ آپ کو کہہ رہے ہیں کسی کان رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں۔ مگر ذرا غور کرو کہ بقول مرزا یہ روایت تو ایسی مشہور اور قدیم اور سلسلہ وار اور کشمیر میں زبان زدہ خاص و عام ہے۔ اور پھر بھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے کہ قادیاں کے لوگوں کو اسکی خبر ہوئی اور انہیں کے منہ سے پبلک کے کانوں تک پہنچی ابھی کل تک تو مرزا جی کو بھی اسکی خبر نہ تھی گو آپ فی ادنی الارض پنجاب میں کشمیر کے زیر سایہ ساری عمر بسر کر چکے۔ وہ آپ ہی تو ہیں جو ازالۃ الاوہام صہ ۴۷۳ و ۴۷۴ پر مسیح کی قبر کا پتہ یہودیہ دیس میں تبلاتے رہے اور لکھ چکے "مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا"۔ اور حواریوں کو کشفی طور پر مسیح ابن مریم مرنے کے بعد جبکہ وہ گلیل میں جاکر کچھ عرصے کے بعد فوت ہوگیا۔ ۴۰ دن برابر نظر آتا رہا"۔ پس آپ نے ایسی مشہور اور مضبوط روایات سے کیسے انکار کیا تھا؟ کیا قدامت اور شہرت اسی کا نام ہے ؟

چوتھی دلیل:- "ایک یہودی نے بھی اس کی تصدیق کی کہ قبر واقع سری نگر یہودیوں کے انبیا کی قبروں کی طرح ہے" جلد اوّل صہ ۹۹+	یہودی شاہد

باطل ست آنچہ مدعی گوید۔ جب کبھی آپکو مسیحیت کے بارے میں کوئی شاہد درکار ہوا کوئی نہ کوئی یہودی فوراً فریاد کو پہنچ گیا۔ آپ نے اُس یہودی سے پوچھا ہوتا کہ یہودیوں کی قبروں میں اور انبیا کی قبروں میں اور پھر یہودی اور مسلمانوں کی قبروں میں خاص کیا فرق رکھا گیا ہے جس سے

ایک قبر کو دوسری سے پہچان سکتے ہیں۔ آپ بھی بہت سادہ لوح ہیں اِس یہودی نے آپکو بنایا ہے۔ اوّل تو آپ خود مان چکے کہ اس قبر کا "طرز دفن مسلمانوں اور اہل کتاب سے خاص ہے" پس کیوں جائز نہیں کہ یہ قبر کسی مسلمان کی ہے؟ دوم یہ قبر "مسلمانوں کے محلے میں واقع ہے" اس سے بھی اسکا مسلمان کی قبر ہونا ثابت ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ تم کہتے ہو کہ "قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچی ہوئی" اور تم خود اقرار کرتے ہو کہ "قبروں میں اِس قسم کا سوراخ رکھنا کسی مُلک میں رواج نہیں" (راز حقیقت صفحہ ۱۷) وہ ایس آپ اپنے مسخرے یہودی سے پوچھ لیجئے کہ بچہ تم نے کیسے اس قبر کو یہودیوں کے انبیا کی قبروں کی طرح جلد یا؟ کس نبی کی قبر میں یول نکلا؟

اب یہ بات آپ ہم کو سمجھا دیجئے کہ اس قبر کے پاس "قدم رسول" کہاں سے آگئے۔ مجرد یہ لفظ رسول مسلمانوں کی اصطلاح میں صرف آنحضرت کے لیئے بولا جاتا ہے۔ پس یا تو یہ سب محض لغو باتیں ہیں بے سر و پا یا آپ اب یہ تیاری کر رہے ہیں کہ کہدیں شب معراج حضرت اِس قبر عیسےٰ کی زیارت کو تشریف لائے تھے۔

خان یار کا چبوترہ قبر نہیں

خیر اب ہم آپ کی خاطر مانے لیتے ہیں کہ کسی نامعلوم طریقے سے یہ قبر یہودیوں کے انبیا کی قبروں کی طرح ضرور ہوگی تو پھر کیا ہر چبوترہ جو نبی کی قبر کے انداز کا بنا ہو نبی کی قبر قرار دیا جائیگا قبر کسی مستطیل یا ماہی پشت چبوترہ کو نہیں کہتے۔ قبر وہ ہے جسکے اندر کوئی مردہ دفن ہو۔ آپ کے دعوے میں دو چیزیں ہیں۔ پہلا یہ کہ محلہ خان یار یا سری نگر میں جو چبوترہ ہے وہ قبر ہے یعنی اُس میں کوئی مُردہ گڑا ہے دوسرا یہ کہ مردہ مسیح کا لاشہ ہے۔ پس جب آپ یہ کہتے ہیں کہ "لاکھوں انسانوں نے اِس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے" تو آپ ہذیان بکتے ہیں۔ جو شے "جسم کی آنکھ سے" لاکھوں انسانوں نے دیکھی وہ صرف ایک تودۂ خاک ہے۔ نہ انہوں نے کبھی مسیح کو دیکھا نہ مسیح کے لاشے کو دیکھا۔ بلکہ انہوں نے تو اُس لاشہ کو کبھی نہیں دیکھا جو اس قبر میں رکھا بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ حق بات تو یہ ہے کہ اس بات کا بھی

کوئی جھوٹا یا سچا گواہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اس تودۂ خاک کے نیچے کوئی لاشہ بھی ہے یعنی ابھی یہ بھی نہیں ثابت ہوا کہ جسکو آپ قبر کہتے ہیں وہ کوئی قبر ہے چہ جائیکہ وہ مسیح کی قبر یا مریم کی قبر ہے؛

صدیقہ کی قبر ہم چلتے ہوئے یہ سوال بھی کرینگے کہ ایسی مہمان نواز نبی پرور قوم کشمیری نے حضرت مسیح کی قبر تو محفوظ رکھی مگر حضرت مریم جو بزعم شما حضرت مسیح کے ساتھ کشمیر تشریف لائی تھیں اُنکی قبر کہاں گئی؟ اُن کی قبر تو ضرور ملنا چاہئیے کیونکہ اُنکا انتقال تو حضرت مسیح کی عین حیات ہوا۔ اُن کی قبر تو حضرت مسیح کی زیر نگرانی بنی ہوگی۔ آپ تو اس مُلک کے "شہزادہ نبی" تھے۔ سارے لوگ آپکے معتقد تھے یہ قبر تو ضرور یہودیوں کی انبیا کی ماؤں کی قبروں کی طرح ہوگی۔ اور یہ بھی ویسی ہی قدیم اور مشہور ہونا چاہئے جیسے مسیح کی قبر۔ بس آپکا فرض ہے کہ آپ حضرت مریم کی قبر کا پتہ بتاویں۔ چاہئے تو یہ ہے کہ اسی روضہ صاحب میں جو دوسری قبر کسی سید نصیر الدین کے نام سے مشہور ہے اُسکو آپ فوراً قبر مریم ثابت کریں ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑتا ہے۔ ذرا اُس مٹے ہوئے کتبے کو میگنی فائنگ گلاس سے پھر تو پڑھئے؟

علم اللسان **پانچوین دلیل** اور یہ مرزاجی کی برہان قاطع ہے۔ اور شاید یہی وہ "عظیم الشان علمی تحقیقات" ہے جو یورپ اور امریکہ کے "محقق" لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے جلد ا صفحہ ۱۹ یہ ضرور "علمی" دلیل ہے کیونکہ فیلالوجی یعنی علم اللسان کے متعلق ہے۔ ناظرین ذرا ہنسی روک کے سُننا "حضرت عیسے علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے اور جیسا کہ گلگتہ یعنی سری کے مکان پر حضرت مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تھا ایسا ہی سری کے مکان پر یعنی سری نگر میں اُنکی قبر کا ہونا ثابت ہوا۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سری کا لفظ موجود ہے یعنی جہاں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر کھینچے گئے اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے۔ اور جہاں انیس سو برس کے آخیر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ثابت ہوئی اس مقام کا نام بھی گلگت یعنی سری ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ گلگت کہ جو کشمیر کے علاقہ میں ہے وہ بھی سری کی طرف ایک اشارہ ہے" صفحہ ۲۳۴-۲۳۵

ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو ایک لطیفہ میں کوئی مرزا رطل الیوق بالقابہ کسی مرزا منصور بن موسیٰ کے صاحبزادے گذرے ہیں وہ آپ ہی کے کوئی علاتی بھائی تھے۔ اور ہم نے جو اس دلیل پر غور کیا تو ہم کو روشن ہو گیا کہ مرزاجی سٹری ہو گیا اور اب قادیاں کا مناسب نام سٹری نگر ہونا چاہئے۔ یہ عجب بات ہے کہ سری کی خرابی سے سٹری بن جاتا ہے اور مرزاجی کی سری میں فتور ہے۔ ان کو خود بخود اقبال ہے کہ "انکو دوران سر اور کمی دوران خون کی بیماری بدن کے اوپر کے حصے میں ہے" جلد اول ص ۲۶۳ دوران سر کا ٹھیٹھ اردو ترجمہ "سر پھرنا" ہے۔ اور سر پھرنے سے مراد سٹری ہونا ہوتا ہے اِس پر سندِ اُستاد کے کلام کی لیجئے ؎

فرہاد سے ہمسری کرے کون ٭ سر کس کا پھرا ہے یوں مگر کون

مرزاجی کی دلیل ہم کو نہیں جنچتی۔ ہم اس سے بہتر لطیفے سُن چکے ہیں۔ ایک پرانے اُستاد نے عورت کی ہجو میں کہا۔ لفظ زن مصدر زدن سے نکلا ہے ؎

اگر نیک بودے سرانجام زن ٭ زناں را زن نام بودے نہ زن

اگر انکو معلوم ہوتا کہ زن کو سنسکرت میں ناری کہتے ہیں تو بھڑک اٹھتے۔ اور سمجھ جاتے کہ بید یا برہمن نے عورت کو جہنمی کہہ دیا۔ ان سے بھی بڑھکر لوگ گذرے ہیں۔ ایک صاحب نے کانے کی مذمت میں نص قرآن پیش کر دی اور نظم میں ؎

کانے کی بات کا مت کر و یقین ٭ لکھا ہے قرآن میں کان من الکاذبین

اب حقیقت اس سری کی سنو جس مقام پر خداوند مسیح کو صلیب دی گئی اُسکا نام نہ سری ہے اور نہ گلگت بلکہ گول گتھا جو معرفہ ہے اور جس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں مختلف الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ اور ہماری اردو زبان میں جس کا ترجمہ "کھوپڑی کا مقام" (مرقس ۱۵/۲۲) مگر وہ مقام ترجموں کے اعتبار سے جو ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں مشہور نہیں ہو سکتا بلکہ اصلی لفظ کے اعتبار سے جو گول گتھا ہے۔ اور وجہ تسمیہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک ٹیلا تھا بے برگ و گیاہ کاسہ سر یعنی کھوپڑی کے مشابہ اور مقتل ہونے کے باعث وہاں مُردوں کی کھوپڑیاں بھی پڑی رہتی تھیں

اور یہ ایک وحشت ناک مقام تھا جسکو کوئی صوری یا معنوی مشابہت یا مناسبت کشمیر سے ممکن نہیں ؛

گر مرزاجی کی بدتمیزی کی داد دینا چاہئے ۔سری اردو زبان میں کلہ کو کہتے ہیں یعنی مذبوح جانوروں کے سر کو۔ پس چاہئے تھا کہ وہ سری اور کھوپڑی میں تمیز کرتا یہ گلگت کو بھی گولگتھا سے کچھ مناسبت نہیں۔ نہ لفظی نہ معنوی ۔ مرزا تو یہاں اُس کاتب سے بھی بڑھ گئے جس نے قرآن شریف میں خرّ موسیٰ کو خر عیلے پڑھا تھا ۔ گلگت ایک شہر کا نام ہے جو اس نام کے دریا پر کوئی ۳۰۰ میل پر کشمیر سے واقع ہے پس اگر ہمارا دیوانہ گول گتھا کو گلگت بھی بنا دیتا تو بھی گلگت سری نگر نہ بن سکتا ۔ اور سنئے سری نگر کو مرزاجی "سری کا مکان" کہتے ہیں اور سری کو کھبی کھوپڑی سمجھتے ہیں ۔ ان بچارے کو کیا معلوم کہ سری سنسکرت لفظ ہے ۔ اور نام ہے لکشمی دیوی کا ۔ اور سری پتی یعنی لکشمی کا شوہر وشنو کو کہتے ہیں ۔ اور لکشمی سے منسوب ہونے کی وجہ سے اس شہر کا نام سری نگر یعنی لکشمی کا شہر رکھا گیا ۔ مرزاجی کی یہ دلیل نکمی ہے " بلکہ سو اور راء سے مرکب ہے ۔ جس کے معنی ہیں کہ میں اسکو بہت برا دیکھتا ہوں" جلد ا صفحہ ۱۶۵ +

اس دلیل میں ایک لطف یہ ضرور ہے کہ مرزاجی نے دعوئے کسر صلیب کا کیا تھا اسکی پاداش میں اُسکو خود اپنے ہاتھ سے سری نگر میں اچھا خاصہ صلیب نصب کرنا پڑا اور سری نگر کو انہوں نے آپ گویا خداوند مسیح کی صلیب کی یادگار قرار دیا ۔ خوب کہا ع

جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے

باب لُدّ و لداخ یہ لکھتے ہوئے ہمارا ذہن ایک اور طرف منتقل ہو گیا اور اب مرزاجی ہماری بات کو عنقریب لے بیٹھینگے ۔ سرینگر سے یہ گلگت پہنچے مگر مقصود اُنکا لداخ تھا اور یہ کشمیر کا علاقہ ہے ۔ حدیث میں لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہونگے تو دجال کو قتل کرینگے باب لُدّ کے پاس ۔ فیقتلہٗ عِندَ بَابِ لُدّ ۔ مرزاجی کو ہندوستان کے باہر نکلنا نہیں گو مسیح کے معنی ہی آپ اپنے نبی سیاح بتاتے ہیں ۔ صفحہ ۲۳ پس کھونٹے سے بندھنے والا کیونکر مثیل مسیح ہو سکتا ہے ؛

حدیثوں میں بیان ہوا کہ مسیح دمشق میں نازل ہونگے۔ کعبے کو تشریف لائینگے اور باب لُدّ
کے پاس دجال کو قتل کرینگے۔ پس مرزا جی نے قادیاں کو کعبہ قرار دیا وہیں منارہ دمشق کا بنایا۔
پنجاب کو بیت المقدس اور کشمیر کو مدفن مسیح بتایا۔ پھر بھی لُدّ کی کسر رہی جاتی تھی۔ لُد کے معنی جھگڑالو
تو بنا لئے تھے مگر اب لدّخ ہوگا لُدّاخ اور اگر جھگڑالو نہ ملا تو جھگڑالو کا اخ یعنی بھائی مل جائیگا۔
اور یہ لطیف اشارہ عند باب لُد کی طرف ہوا اُس کو مرزا جی کے مرید سمجھ جائینگے۔ ملداخ میں پادری
لوگ بھی ہیں اور پادریوں کو مرزا جی دجال بتاتے ہیں اور چونکہ سرکاری عملداری سے لداخ
دور ہے کیا عجب جو قصد ہو کہ وہاں کسی پادری کو اکیلا دُکیلا پاکر مار ڈالوں اور اپنے چیلوں سے
کہوں کہ لداخ سے باب لُد کے پاس میں دجال یا اُسکے بھائی کو مار آیا؛

غرضیکہ کچھ تو ماحصل مرزا کی "پُرانی کتابوں" "پُرانے کتبے" اور "لاکھوں انسانوں کی چشم دید
شہادت" کا تھا اب آپ اپنے خواب پریشان کو ثابت کرنے کے لئے انجیل اور قرآن اور حدیث کی طرف
رجوع کر کے ایک اور ہی نیا تماشا دکھلائینگے۔ مگر مرزا جی کے راز حقیقت کو پڑھکر ہم پر انکا ایک راز فاش ہوگیا
آپ نے لکھا ہے کہ "قبر کے مغربی پہلو کی طرف ایک سوراخ واقع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سوراخ سے نہایت
عمدہ خوشبو آتی رہی ہے یہ سوراخ کسی قدر کشادہ ہے اور قبر کے اندر تک پہنچی ہوئی ہے عوام کہتے ہیں
کہ اس میں کوئی خزانہ ہے مگر یہ خیال قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتا" ص ۱۹ +

عمدہ خوشبو آنا کیوں بند ہوگئی؟ یا تو یہ نری گپ تھی یا مرزائیوں کے قدم کی برکت۔ بھلا اگر آجکل کثرت
سے خوشبو نکلتی تو کوئی بات بھی تھی۔ اسکا قادیانی مدعی کے عہد میں موقوف ہوجانا کسی نحوست کا نشان ہے
اور بس اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مرزا جی کو عوام کی اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ اس قبر میں
خزانہ گڑا ہے اب آپ اور آپ کے چیلے اس قبر کے معتقد بنکر وہاں کے مجاور بننا چاہتے ہیں اور لوگونکو
اس طرف سے غافل کر کے کہ خزانہ کا خیال باطل ہے اور یہ کہکر کہ "کتبے کے طور پر اس میں بعض چیزیں مدفون
ہیں" اس قبر کو ایسے ایسے حیلوں اور بہانوں سے کھدوا کر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو اور ایک گنج
قارون ہاتھ لگ جائے۔ اور اسی حرص و طمع میں آپ قرآن پر دام تزویر ڈال رہے ہیں۔ یہ ہے راز حقیقت؛

مرزا کا خبط کشمیر
اور شہادت انجیل و قرآن و حدیث

اوّل - انجیلی دلائل

کاٹھ پر لٹکایا گیا ۱- جناب مرزا جی صاحب فرماتے ہیں "مقدس کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے اور لعنت کا ایک مفہوم ہے کہ عیسےٰ مسیح جیسے برگزیدہ پر ایک دم کے لئے بھی تجویز کرنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے"۔ "پس بلاشبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنی صلیب پر نہیں مرا" جلد ۲ ص ۱۰۱ و ۱۱ "صلیب خدائے تعالیٰ کی طرف سے جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے پس جو شخص صلیب پر مرگیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے" ص ۱۸۰ و ۱۸۱۔ وہ شخص کس درجہ شعور و علم دین سے بے بہرہ ہوگا جو یہ مان لے کہ محض کاٹھ پر لٹکایا جانا کسی کو لعنتی کر سکتا ہے۔ کیا کوئی بے جرم برگزیدہ خدا کافروں اور ظالموں کے ہاتھ سے ملعون ہو سکتا ہے؟ جس تارک نماز نے لاتقربوا الصلوٰۃ سے سند پکڑی تھی وہ فہم و فراست میں قادیان کے امام صاحب سے زیادہ تھا۔

اے ناظرین سن لو کہ کتاب مقدس میں کیا لکھا ہے "اگر کوئی شخص ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو مستوجب سزائے موت ہے اور وہ قتل کیا جائے اور تو اسکو درخت پر لٹکائے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر نہ لٹکنے پائے۔ بلکہ تو ضرور اسکو اسی دن دفن کر دینا۔ کیونکہ جو لٹکایا گیا وہ خدا کا لعنتی ہے"۔ توریت کتاب استثنا باب ۲۱ آیت ۲۲ و ۲۳۔ اس سے روشن ہے کہ نہ ہر شخص جو قتل کیا گیا بلکہ وہی جو ایسے گناہ کا مرتکب ہو کر قتل کیا گیا جو مستوجب سزائے موت ہے لعنتی ہوا۔ اب بتاؤ کیا تم نا ہو کبھی کسی

عیسائی نے کہا کہ معاذ اللہ حضرت مسیح کسی گناہ کے مرتکب ہوئے جس کی پاداش موت تھی اور وہ قتل کئے گئے اور پھر صلیب پر لٹکائے گئے۔ پھر ایسی بیہودہ تقریر کرکے کیوں چار دانگ عالم میں رسوا ہوتے ہو؟ ہاں اس قدر سچ ہے کہ یہودیوں کے درمیان "صلیب کی شرمندگی" بہت بڑی تھی کیونکہ یہ سزا قانوناً مجرموں کو دی جاتی تھی اور جو لوگ عدالتوں سے مجرم ٹھہر کر مصلوب ہوتے وہ دراصل بھی لوگوں کی نظروں میں مرتکب جرائم اور ملعون سمجھے جاتے تھے۔ اسی غرض سے انہوں نے روح اللہ کو ذلیل کرنے کی خاطر نہ صرف صلیب کی سزا دلائی بلکہ مشہور چوروں کے ساتھ مصلوب بھی کروایا تاکہ عوام الناس اس سردار دوجہان سے برگشتہ ہوکر آپکا نام ہمیشہ رسوائی کے ساتھ یاد کریں دشمنوں نے دراصل آپ کو مصلوب ہونے کی وجہ سے ملعون کہکر اپنے لیئے ہمیشہ کی لعنت کمائی اور اہل عرفان پر اپنی خباثت اور شیطنت ثابت کردی۔ اور اُنہیں کی نسبت مقدس پولس نے فرمایا ہے "میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو شخص خدا کی روح کی تحریک سے بولتا ہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے" (۱۔ قرنتی ۱۲ : ۳) یہ ناپاک کلام صرف اُسی کی زبان سے نکلیگا جو شیطان لعین کا ہمزبان ہوگیا ہو ❊

تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ حقُّ اللہ اور حق العباد ادا کرتے ہوئے بھی صلیب کے اوپر حضرت مسیح کا شہید ہوجانا ان لوگوں کے سامنے بدنامی کا باعث ظاہر ہوا جو آپ کی رسالت اور مسیحیت اور آپ کی برگزیدگی اور عصمت کے قائل نہ تھے پس ایک زمانے کی رسوائی اور بدنامی کو خدا کی راہ میں مسیح نے یوں گوارا کرکے صلیبی موت کو کیا اختیار کیا گویا "ہمارے لئے لعنتی بنکر اور ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا" (گلتی ۳ : ۱۳) "اُس نے شرمندگی کی پروا نہ کی اور صلیب کا دُکھ سہ لیا" (عبرانی ۱۲ : ۲) اور خدا کے وعدوں کا صبر و استقلال سے انتظار کیا اور پھر وہ وقت دیکھا جب آپ کی بیگناہی اور عصمت کا سارے جہان نے ایک زبان ہوکر اقرار کر لیا اور صلیب کو خدا کی رحمت کا نشان مان لیا اور بجز ہلاکت کے فرزند کے کون ہے جو صلیب کو لعنت کرتا ہے ❊

مصلوب ہونا اور مرنا ہم یہاں مرزا جی سے یہ بھی پوچھینگے کہ کس سند سے تم نے "مصلوب نہیں ہوا" کو "یعنی صلیب پر نہیں مرا" کہدیا۔ کیا مصلوب ہونا اور مر جانا ایک ہی بات ہے؟ کیا تم نے خود نہیں لکھا کہ "صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض شخص جانبر ہو گئے" ص ۱۹۳ کیا مصلوب صرف اسی کو نہیں کہتے جو صلیب پر کھینچا جائے خواہ مرے خواہ نہ مرے؟ کیا تم ہم کو نہیں بتا چکے کہ "تینوں مصلوبوں کو صلیب پر سے اُتار لیا" اور ہڈیاں توڑنے کے بعد "یقین کیا جاتا تھا کہ اب مصلوب مر گیا" ازالۃ الاوہام ص ۳۸۱ اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی تو یہی ہے کہ "مسیح صلیب پر کھینچا گیا مر گیا" پس تم کو اب کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مصلوب ہونا اور مرنا جدا جدا باتیں ہیں ایک بات نہیں ہے؟

پھر قول عنت ربود تو آپ نے یہ پیش کیا تھا۔ "جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے" اور آپ بڑے زور و شور سے مان چکے کہ مسیح ضرور صلیب پر لٹکائے گئے تو اب خود دیکھ لو کہ تمہاری تقریر کا نتیجہ لعنت ہوا یا نہیں؟

صلیب کے اور شہادت مرزا نے اس لچر تقریر کو بار بار بہ تکرار اپنی کتابوں اور اشتہاروں میں بیان کیا ہے۔ ہم ہمیشہ اُس کے مُنہ سے یہی سنتے ہیں "جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے" اہل کتاب کی کتب مقدسہ سے تو مرزا کی جہالت ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ لیکن اگر اُسکو اپنی دینی کتابوں سے بھی ذرا واقفیت ہوتی تو کبھی وہ الیسا مردود سخن زبان سے نکالنے تامل کرتا کہ محض صلیب پر لٹک جانا انسان کو لعنتی کر دیتا ہے۔ اُسکے ذہن میں آتا ہی نہیں کہ بے گناہ مصلوب ہو جانا خدا کی نظر میں سوائے شہادت کے اور کچھ نہیں۔ ہم آج اُسکو سمجھائے دیتے ہیں تا پھر یہ کفر آمیز گفتگو اُس کے مُنہ سے نہ سنیں۔ فرعون نے اُن جادوگروں کو جو اپنے کفر سے توبہ کر کے موسیٰ پر ایمان لائے اور قوم کے سامنے علانیہ شہادت دی ہاتھ پاؤں کاٹ کر صلیب پر کھینچ دیا اور صلیب پر قتل کر ڈالا لاُصلبنکم فی جذوع النخل (سورہ طٰہٰ) اور مسلم شریف میں آنحضرت نے قصہ اصحاب الاخدود میں فرمایا کہ کسطرح ایک کافر بادشاہ نے ایک ولی کامل صاحب کشف و کرامات کو صلیب کے اوپر کھینچ دیا پھر اُس کے ایک تیر مارا جو مصلوب کی کنپٹی

پر جا لگا اور وہ وہیں مرگیا۔ صلبہ علی جذع۔ ثم رماہ فوضع السہم فی صدغہ
قماحت۔ اب مرزا بتلا دے کہ وہ ان مومنین آل فرعون اور اس ولی اللہ پر کیا حکم لگاتا ہے
جن کو کافروں نے ایذائیں دے کر صلیب کے اوپر مار ڈالا۔

پھر کیوں تجویز کیا جاتا ہے کہ مسیح کے لئے صلیب پر لٹکنا تو ضروری تھا مگر مرنا ضروری نہ تھا۔ کیا محض اس لئے کہ خان یار کی تکیہ داری آپ کو مل جائے اور آپ سری نگر کے مجاور بن جائیں؟

حضرت مسیح کی دعا اور اس کی قبولیت

مسیح کی دعا۔ ہم کو مرزا جی کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں۔ ابھی آپ فرما چکے تھے کہ مسیح نے "خدا کی مرضی کے خلاف دعا مانگی" جلد ا ص ۵۰۹ پھر بھول گئے اور ہم کو تاکید کر کے فرما دیا "یقیناً سمجھو کہ وہ دعا جو گتسمنی نام مقام میں کی گئی تھی ضرور قبول ہوگئی تھی" جلد ۲ ص ۱۶۰۔ پھر اسی دعا کو آپ نے "صلیب سے محفوظ رہنے کے بارے میں" ایک بہت بڑی انجیلی شہادت قرار دے دیا۔ اور پھر خود ہی یہ مان بیٹھے کہ مسیح مصلوب بھی ضرور ہوا ہے۔ صلیب ہی پر "شدت درد سے بیہوش ہوگیا" جلد ا ص ۲۱۳ غرضیکہ کل عقوبتیں جھیلیں مگر مرے نہیں۔ پھر جب لوگوں نے سمجھا دیا کہ یہ کیا بک گئے "صلیب سے محفوظ رہنے" کے تو کوئی معنی نہ ہوئے۔ تو آپ نے یہ فرما دیا کہ مسیح نے دعا اس لئے کی تھی کہ "خدائے تعالےٰ اُسے صلیب کی لعنتی موت سے بچالے" جلد ۲ ص ۱۹۲ اور اس قول کے لئے آپ نے استدلال اس کلام سے کیا "جو کوئی کاٹھ پر لٹکا سو لعنتی ہے"۔ اب ہم نے اسکا مطلب بھی آپ کو سمجھا دیا فکشفنا عنک غطاءک +

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ موت ایسی چیز نہیں جس سے کوئی حفاظت مانگے کُلُّ نفسٍ ذائقۃُ الموت۔ مگر موت کی سختی سے جان کندن سے جسمانی عذاب سے ضرور امان مانگی جاتی ہے اور خدا کی مرضی کی متابعت میں مسیح نے بھی ایسی دعا کی کہ "اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تاہم میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو" اور اس دعا کا راز بھی شاگردوں کو بتلایا

"روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے" متی باب ۲۶ یعنی مسیح نے عقوبت اور جسمانی عذاب کی تلخی سے مشیت ایزدی پر راضی ہو کر دعا کی تھی ہرگز موت سے امان نہیں مانگی اور وہ دعا ضرور مقبول ہوئی اگر کسی شخص کے اوپر ایک بوجھ آپڑے اور وہ اُس سے بچنے کا خواستگار ہو تو دو طریق سے اُسکی عرض قبول کی جاسکتی ہے۔ یا تو بوجھ ہلکا کر دیا جائے یا اُسکے برداشت کرنے کے لئے کافی زور اور صبر اُسکو عطا کیا جائے۔ مسیح نے موت کے دردوں سے بچنا چاہا اور خدا کی مرضی کو اپنی سپر ٹھیرایا پس خدا نے روحانی انتظام کر دیا۔ ابھی آپ دعا کر ہی رہے تھے کہ "آسمان سے ایک فرشتہ اُسکو دکھائی دیا وہ اُسے تقویت دیتا تھا" لوقا ۲۲/۴۳ اور اُسکا نتیجہ انجام کار یہ ہوا کہ آپ نے "اُس خوشی کے باعث جو آپکی نظروں کے سامنے تھی شرمندگی کی پروا نہ کی اور صلیب کا دُکھ سہ لیا" عبرانی ۱۲/۲۔ اگر آپ پر عقوبتوں کی یورش ہوئی تو خدا کے فضل سے آپ نے صبر و تحمل تسلیم و رضا سے جواب دیا اور ان صفات کو ابتلائی غائت میں اِس فراوانی سے ظاہر کیا کہ جلاد بھی عش عش کرنے لگے۔ دریائے رحمت میں آپ نے اپنے تئیں ایسا فنا کر دیا کہ قاتلوں کو مستحق شفاعت گردانا اور درگاہ کبریائی میں دُعا کی "اے باپ اُنکو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں" لوقا ۲۳/۳۴ مرزا جی اس بات کو کیا سمجھ سکتے ہیں یہ تو ایسے عارفوں کے سمجھنے کی ہے جیسے حضرت شیخ الاکبر گذرے۔ اُس وقت عرش بریں سے کیا کیا رحمتیں آپ پر نازل ہوئیں۔

صلیب کی شان وہ کاٹھ جو اوروں کے لیئے لعنت کا تمغہ تھا آپ کے وجود باجود سے لگکر نشان رحمت ہو گیا۔ صلیب ہی تو ہے جسکے پرچم تلے آپ کا سر دھڑ پر جما ہوا ہے۔ ذرا اس صلیب کے سایہ سے باہر نکل کر آزماتو لو۔ صلیب ہی تو ہے جو تاج برطانیہ کو رونق دے رہا ہے جس کے آگے تم سر ٹیک رہے ہو۔ اور جس کے اوپر سے صدقہ ہو جانا اپنی سعادت سمجھتے ہو۔ تم اور کسر صلیب چھوٹا منہ بڑی بات! یہ نخل عالم کے آب دیدہ کا سینچا ہوا اسکو حضرت مسیح آپ اکھاڑیں تو اُکھڑے۔ پس آپ کو جلد معلوم ہو جانا چاہئے کہ مسیح کی دعا استجابت کے لیئے موت سے بچ جانا اور سری نگر کو مطلق ضروری نہیں۔ مسیح کی جو کچھ دعا تھی وہ صلیب ہی کے اوپر منظور ہوئی۔

ایلی ایلی لما سبقتنی

صلیب کی سختیوں میں حضرت مسیح کی زبان سے نکلا تھا "ایلی ایلی لما سبقتنی"۔ مرزا کی تعجیل کاری نے اُسکو رخصت نہ دی کہ ذرا بھی اس کلام کا مفہوم سمجھ سکتا۔ جھٹ بول دیا "مسیح صدق پر قائم نہ رہ سکا ایلی ایلی کرکے چیخیں مارنا شروع کردیں" جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۔ یہ کہکر مرزا نے اپنے قلب کی حالت ہم کو دکھلادی اور ہم کو بہت افسوس آیا۔ کیونکہ مسیح کی زبان سے جو کلام نکلا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ "آپ موت تک بلکہ صلیبی موت تک فرمانبردار رہے" فلپی ۲/۸ :

اگر کوئی کسی دیندار مسلمان کو بستر مرگ پر پڑا ہوا لب ہلاتے دیکھے اور وقتاً فوقتاً اُس کے مُنہ سے دو چار ایسے کلمے نکلتے سُنے کُل شیءٍ احصینا۔ انّا تطیّرنا بکم۔ اور اُس کی وفات کے بعد لوگوں سے کہے کہ میں نے تو اُس مسلمان کو آخر دم تک مال اسباب گنتے اور تیمارداروں کو نامبارک کہتے دیکھا۔ تو وہ لوگ جو واقف ہیں کہ وہ مرد مومن سورۂ یاسین پڑھتا ہوا مرا اس شخص کی جہل و نادانی پر کس قدر تأسف کرینگے۔ مسیح کے کلام پر ایسا ہی ناشائستہ اعتراض مرزا نے کرکے واقف کاروں کو اپنے اوپر ہنسایا ہے۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ ایلی ایلی لما سبقتنی حضرت داؤد کی بائیسویں زبور کا مطلع ہے۔ اس زبور کو تنگی اور مصیبت کے وقت ایماندار پڑھتے ہیں اور اسمیں حضرت مسیح کے دردوں کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ وہ سراسر آپ ہی کے حسب حال تھا اور اُس وقت آپ نے اسکو پڑھنا شروع کیا تھا :

اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں

۳۔ تیسری دلیل آپ کی مسیح کے یہ اقوال ہیں "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۱۵/۲۴ "ابن آدم کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھنے اور نجات دینے آیا ہے" لوقا ۱۹/۱۰۔ آپ لکھتے ہیں "حضرت مسیح کے یہ الفاظ کہ میں گم شدوں کی تلاش کرنے آیا گم شدہ فرقوں کے سوائے دوسرے یہودیوں پر کسی طرح لگ نہیں سکتے" صفحہ ۱۲۔ اور اُن گم شدوں سے آپ صرف وہی اسرائیل جو دور دراز ملکوں میں جا آباد ہوئے تھے مراد سمجھتے ہیں اور پھر ایک تیسری زبردستی سے آپ دور دراز ملکوں میں افغانستان اور خاصکر کشمیر ہی کو شمار کرتے ہیں کہ عقدہ حل ہو گیا مسیح کو [illegible]

اِلیٰ بَنِی اِسرَائِیلَ کہا اس سے قرآن کی مراد یہ ہے کہ آپ کشمیریوں کے رسول ہیں اور اَنّی قَد جِئتُکُم بِاٰیَۃٍ مِن رَّبِّکُم میں اشارہ کشمیریوں کی طرف ہؤا۔ کیونکہ آپ سوائے گم شدہ یعنی جلاوطن یہودیوں کے کسی کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ اور لِاُحِلَّ لَکُم بَعضَ الَّذِی حُرِّمَ عَلَیکُم سے یہ مراد ہوئی کہ میں کشمیری یہودیوں پر وہ چیزیں حلال کردوں جو حضرت بدھ کی شریعت میں اُن پر حرام ہوگئی تھیں۔ قرآن فہمی تو مرزا جی پر ختم ہوگئی:۔

ناظرین پر واضح ہو کہ "کھوئی ہوئی بھیڑ" اور "کھویا ہؤا" جب انسان پر بولا جاتا ہے تو وہ ایک عام کتابی استعارہ روحانی گمراہی کے لئے ہے اور کھوئے ہوئے کو ڈھونڈھنے سے مراد ہدایت بخشنا ہے۔ زبور میں ہے "میں اُس بھیڑ کی مانند جو کھوئی جائے بھٹک گیا ہوں اپنے بندہ کو ڈھونڈھ" ۱۷۶/۱۱۹ مُقدّس پطرس عیسائیوں سے فرماتے ہیں "تم بھٹکتی ہوئی بھیڑوں کی مانند تھے پر اب اپنی جانوں کے گڈریہ اور نگہبان پاس آئے ہو" خط اوّل ۲۵/۲۔ اور یہی محاورہ قرآن و حدیث میں بھی موجود ہے مثلاً آنحضرت کا یہ مقولہ الم اجدکم ضلالا فھدکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی (مشارق الانوار ۱۰۲۴) آیا نہیں پایا میں نے تم کو بھٹکتا ہؤا پھر راہ پر لگایا تم کو اللہ نے میری طفیل اور تم لوگ تتر بتر تھے پھر خدا نے تم کو جوڑ لیا میرے طفیل یعنی تو مسیح کے اُس قول کے اندر موجود ہیں جس سے مرزا نے استدلال کیا مسیح نے فلسطین کے ایک یہودی خراج گیر زکائی کو اپنے دوسرے قول کا مصداق بنایا تھا۔ آپ اُسکے لئے کشمیر تک ناحق تکلیف کرتے ہیں فلسطین ہی کے یہودیوں کو فرمایا "وہ اِن بھیڑوں کی مانند جنکا چرواہا نہ ہو تنگ حال اور پراگندہ تھے" متی ۳۶/۹ فلسطین ہی کے یہودیوں سے مسیح نے پکار کر کہا "اچھا چرواہا میں ہوں" یوحنا ۱۱/۱۰ فلسطین ہی میں آپ نے اپنی بھیڑوں کو ڈھونڈھا اور فرمایا "میری بھیڑیں میری آواز سنتی ہیں اور میں اُنہیں جانتا ہوں اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں" آیت ۲۷۔ پس کس قدر جاہل ہوگا وہ شخص جس نے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں گم شدہ فرقوں کے سوائے دوسرے یہودیوں کو نہ سمجھا:۔

عرب کے گم شدہ اسرائیلی

ہم مرزا جی کو ایک نکتہ بھی سمجھائے دیتے ہیں کہ کشمیریوں کا گم شدہ اسرائیلی ہونا تو صرف برنیر وغیرہ کا ایک گمان اور خیال ہی ہے جس کے لئے کسی یقینی دلیل کے، وہ خود بھی قائل نہیں۔ مگر حضرت مسیح کے زمانے میں اور فلسطین کے قریب بھی دوسرے ملکوں میں جلا وطن یہودیوں کی ایسی قومیں کثرت سے آباد تھیں جنکے یہودی ہونے کا کسی کو بھی کبھی شک نہیں ہوا۔ پس اگر یہ سچ ہے کہ مسیح بنی اسرائیل کے اُن فرقوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے جو "آپ کی آمد سے بہت عرصہ پہلے مشرقی ممالک میں آباد ہو چکے تھے" ص ۸۸ اور اگر آپ کو پردیسی یہودیوں کی تلاش لازمی تھی تو سب سے پہلے آپ کو عرب میں آنا چاہیئے جہاں تم کہتے ہو کہ "آنے والا نبی" مبعوث ہونے والا تھا اور حضرت مسیح کی دعوت میں اُسکے قبول کرنے کی وصیت تھی"۔ شاید آپکو آج تک معلوم نہیں تھا کہ مسیح کے زمانے میں کثرت سے یہودی عرب میں آباد ہو چکے تھے سر سید احمد کے خطبات احمدیہ میں پڑھ لو "یہودی مذہب عرب میں اُن یہودیوں کے ساتھ آیا جو پانچویں صدی قبل حضرت مسیح کے بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر آباد ہو گئے تھے" خطبہ ثالث احمدیہ کیا یہ ممکن تھا کہ اگر تمہارا خیال درست ہو تو ان یہودیوں کو چھوڑ کر آپ کشمیر چلے آتے؟

یونس نبی کی تمثیل

ہم سب سے بڑی نقص مرزا جی نے حضرت مسیح کے اس قول کو قرار دیا ہے کہ "جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ایسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" توقا باب ۱۲ اور اس پر بنا یوں قلم فرسا ہیں "اب ظاہر ہے کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ تھا . . . . زندہ رہا اور زندہ نکلا اور آخر قوم نے اُسکو قبول کیا۔" "اس مثال میں جتلا دیا تھا کہ وہ (مسیح) صلیب پر نہ مریگا . . . . بلکہ یونس نبی کی طرح صرف غشی کی حالت ہوگی اور مسیح نے اس مثال میں یہ بھی اشارہ کیا تھا کہ وہ زمین کے پیٹ سے نکل کر پھر قوم سے ملیگا اور یونس کی طرح قوم میں عزت پائیگا۔ یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی کیونکہ مسیح زمین کے پیٹ سے نکل کر اپنی اُن قوموں کی طرف گیا جو کشمیر اور تبت وغیرہ مشرقی ممالک میں سکونت رکھتی تھیں؟

اگر مرزاجی کو تشبیہ و تمثیل کے اصول سے ذرا بھی واقفیت ہوتی تو آسانی سے سمجھ لیتے کہ مسیح نے یونس کے ساتھ صرف ایک بات میں اپنی مشابہت دکھلائی "تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں یونس کا رہنا تین رات دن زمین کے اندر مسیح کا رہنا مشابہ ہے۔ اس سے زیادہ کسی واقعہ میں مشابہت نہیں۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونس والی تمثیل نہ سمجھنے کے لئے مرزاجی کے استاد جواب وہ ہیں جنہوں نے گلستاں پڑھاتے ہوئے کوئی غلطی کی تھی اور مرزا صاحب کو اس شعر کا مطلب غلط سمجھا دیا تھا۔

قرص خورشید در سیاہی شد — یونس اندر دہان ماہی شد

ورنہ ایسی آسان مثال کے سمجھنے میں ع صد حجاب از دل بسوے دیدہ شد کی نوبت نہ آتی۔ مرزاجی نے جو نقشہ یونس اور مسیح کی مشابہت کا کھینچا وہ قابل دید ہے اسی سے آپ کے گمان کا ابطال ہوتا ہے:۔

یونس سمندروں کے بیچ ہزاروں کوس کی گردش کرتے رہے مسیح ایک جگہ خشکی میں قرار سے پڑے رہے:۔

یونس مچھلی کے تنگ و تاریک جوف میں مقید تھے جہاں نہ روشنی کا گذر نہ ہوا کا۔

مسیح ایک قبر میں جو بزعم مرزا کوئی بارہ دری یا بالاخانہ تھا "ایک ہوادار وسیع کوٹھا جس میں ایک کھڑکی بھی تھی"۔

اس میں ایک شکلی مشابہت بھی قابل غور ہے "کوٹھا زمین کے اوپر ہوتا ہے حالانکہ مسیح کا قول ہے کہ میں زمین کے اندر رہونگا"۔

یونس مچھلی کے پیٹ کی غلاظت میں رہے جس نے آپ کو سقیم کر دیا تھا۔

مسیح کی قبر طرح طرح کی خوشبوؤں اور مسالحوں سے بسی تھی جس کے باعث بزعم مرزا آپ پھر سے تندرست ہو گئے۔

یونس تن تنہا بے یار و مددگار اس تنگی میں رہے:۔

مسیح کے پاس بقول مرزا "تجربہ کار طبیبوں" کا جمگھٹا رہا۔
یونس بقول مرزا مچھلی کے پیٹ میں "بیہوشی اور غشی" کی حالت میں رہے اور اس حالت کو مسیح کے منور یعنی سکتہ و غشی کے مشابہ بتلایا جاتا ہے۔ افسوس مرزاجی بالکل گھبرا گئے کیونکہ قرآن میں لکھا ہے کہ حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں بیہوش نہیں رہے بلکہ سراسر ہوش میں رہے تسبیح اور تہلیل میں برابر مصروف (انبیاء ع ۶ و صافات ع ۵)۔
اب لیجئے جہاں خاص مشابہت مرزا تلاش کرتے تھے وہیں مشابہت بالکل زائل ہو گئی
دوسری مشابہت مرزاجی نے یہ دکھلائی کہ مسیح نے "یونس کی طرح قوم میں عزت پائی" اور یہاں بھی مشابہت بالکل معدوم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عقل سے بولتے نہیں محض الہام کے جوش میں کچھ فرما جاتے ہیں اور وہی کلام لغو ہوتا ہے۔
یونس نے تو اُسی قوم کے ہاتھوں عزت پائی جس قوم نے اُنکی بے عزتی کی تھی اور منکر ہو گئی تھی۔ مسیح کو آپ کہتے ہیں کہ جس قوم نے یعنی فلسطین کے یہودیوں نے بے عزت کیا پھر اُس نے دوبارہ قبر سے نکلنے کے بعد آپ کو ہرگز ہرگز نہیں قبول کیا اور عزت کی تلاش میں اُنکو دور دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑا اور بالکل دوسری قوم سے عزت پائی۔ اب آپ ہی بتایئے کہ مشابہت کہاں رہی؟ اور اس مثال سے حضرت مسیح کا سری نگر تشریف لانا کیسے ثابت ہو گیا؟ یہاں انجیلی دلائل کا خاتمہ ہے۔ مگر جب ہم اس قسم کی باتیں ان لوگوں سے سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے ام تامرھم احلامھم بھذا ام ھم قوم طاغوت۔

دوم۔ قرآن شریف کی دلائل ہم یہاں مولوی صاحبوں سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنی بحث مکمل کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث کے متعلق بھی مرزا کی دلائل کو پرکھ لینے دیں۔ گو ہم مانتے ہیں کہ یہ بحث خاص انہیں کا حصہ ہے۔

کشمیر کی طرف صریح اشارہ | مرزاجی فرماتے ہیں "قرآن شریف میں ایک آیت میں صریح کشمیر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسیح اور اُس کی والدہ صلیب کے واقعہ کے بعد کشمیر کی طرف چلے گئے

جیسا فرمایا ہے وآویناھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین یعنی ہم نے عیسےٰ اور اُس کی والدہ کو ایک ایسے ٹیلے پر جگہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور پانی صاف یعنی چشموں کا پانی وہاں تھا۔ سو اس میں خدا تعالےٰ نے کشمیر کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور آوے کا لفظ لغت عرب میں کسی مصیبت یا تکلیف سے پناہ دینے کے لئے آتا ہے اور صلیب سے پہلے عیسےٰ اور اسکی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا جس سے پناہ دیجاتی" جلد ا صفحہ ۲۶ اور ۲۷ یہ دلیل تاریخ دانی پر زیادہ تر مبنی ہے اور اس کے بعد علم لغت پر:۔

کشمیر کی کیسی شامت کی گئی جو ایسے پہاڑوں پر واقع ہے جس کی چوٹیاں آسمانوں سے باتیں کرتی ہیں اور ربوہ کا لفظ لغت عرب میں کسی ایسے ہی پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض بچے پہیلیاں بوجھنے میں بہت ہنساتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے مرزا صاحب نے ربوہ کا لفظ سنا اور بول اٹھے کشمیر۔ دیوانہ را ہوئے بس است اسی کو کہتے ہیں۔ عرفی نے کشمیر کی تعریف میں کہا تھا

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر درآید گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

کشمیر کی مرزائی تعریف مرزا جی نے کشمیر کی کیا معقول تعریف سنا دی۔ ایک ٹیلہ اور صاف پانی دریا اس میں بھی بہتی۔ دنیا میں سوا کشمیر کے "ٹیلا" کہاں؟ سوائے کشمیر کے "آرام کی جگہ" کہاں اور سوائے کشمیر کے "پانی صاف" کہاں؟ اب علم تاریخ سنئے "صلیب سے پہلے عیسےٰ اور اسکی والدہ پر کوئی زمانہ مصیبت کا نہیں گذرا"۔

صلیب کے پہلے مصیبت کا زمانہ آپ نے اگر اسی آیت سورہ مومنون پر شاہ عبدالقادر صاحب کا فائدہ پڑھ لیا ہوتا تو بھی ایک بڑا زمانہ مصیبت کا معلوم ہو گیا ہوتا اگر آپ نے انجیل متی باب دوم پڑھ لیا ہوتا تو بھی آج کو یہ پشیمانی نہ اٹھانا پڑتی۔ وہاں لکھا ہے کہ جب دیار مشرق سے مجوسی حضرت مسیح کی زیارت کو آئے اور بادشاہ ہیرودیس کو خبر لگی کہ مسیح یہودیوں کا بادشاہ میرے ملک میں پیدا ہوا تو اُسنے آپ کے قتل کا منصوبہ باندھا اور بچوں کا قتل عام کر ڈالا مگر بادشاہ ظالم کے منصوبے پر خدا کے فرشتے نے حضرت مسیح کے ولی کو خواب میں اطلاع کر دی

اور حکم دیا اُٹھ بچے اور اُس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک میں تجھے نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو ہلاک کرنے کے لئے ڈھونڈھنے کو ہے۔ پس وہ اُٹھ کر رات ہی میں بچے اور اُس کی ماں کو ساتھ لے مصر کو روانہ ہو گیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا" اور جب ہیرودیس مرگیا تو "پھر خواب میں ہدایت پاکر گلیل کے علاقے کو روانہ ہو گیا اور ایک شہر میں جسکا نام ناصرت تھا جا بسا"

دیکھئے یہی وہ بڑی مصیبت کا زمانہ ہے جو صلیب سے پہلے عیسےٰ اور اُسکی والدہ پر گذرا اور جسکی طرف قرآن کا لفظ آوے اشارہ کرتا ہے پس وہ ربوہ یا تو مصر میں کوئی مقام تھا یا خود ناصرت کو ربوہ کہا۔ مصر کا حال ہمکو زیادہ معلوم نہیں مگر ناصرت کا حال کافی معلوم ہے جس سے ہم اُسکو ربوۃ ذات قرار ومعین قرار دیتے ہیں ذات قرار ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہیں ان دونوں کو ظالم کے ہاتھ سے پناہ اور قرار ملا تھا :

ربوہ فلسطین میں | تفسیر کشاف میں ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ یہ ربوہ رملہ فلسطین ہے (دیکھو حسینی)۔ قصبہ ناصرت جسکو مسیح و مریم نے اپنا جائے قرار بنالیا تھا دراصل ایک پہاڑی پر بسا تھا (دوقا ۲۹/۴) اور کسی حقیقی معنے میں ربوہ کہلانے کا مستحق تھا اور اس میں ایک چشمہ آج تک موجود ہے جو "چشمہ بتول" کے نام سے مشہور ہے۔ اور شاید قد جعل ربک تحتک سریا سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ بنادیا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ۔ لیجئے یہ معین کی تعریف بھی ہو گئی۔ پس ربوۃ ذات قرار ومعین لفظ بلفظ قصبہ ناصرت شریف کا نقشہ ہے نہ کہ سری نگر کشمیر کا۔ جب ہم مرزاجی کے مُنہ سے قرآن شریف کی آیات کی ایسی ایسی تاویلات رکیکہ سُنتے ہیں تو ہم کو مرزاجی کا وہ الزام یاد آتا ہے جو وہ سر سید مرحوم کو دیا کرتے تھے "جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خدا تعالےٰ کے علم میں تھیں نہ اُسکے رسولوں کے علم میں نہ صحابہ کے علم میں۔ نہ اولیا اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں۔ اور نہ اُن پر دلالت النص نہ اشارۃ النص۔ وہ سید صاحب کو سوجھیں"۔ اور "اگر قرآن ایک مجسم شخص ہوتا تو بصد زبان ان سے بیزاری ظاہر کرتا"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۲۷ - ۲۲۸) سید مرحوم کی تاویلات کی تعریف یہ ہو یا نہ ہو مگر اس میں ایک ذرہ شک نہیں کہ یہ ایک بہت ہی سچی تعریف مرزا جی کی تاویلات انجیل و قرآن و حدیث کی ہے۔

سوم - احادیث کے دلائل

مرزا کے دو جھوٹ ۱- مرزا جی فرماتے ہیں "احادیث میں معتبر روائتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی اور اسی بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں" صفحہ ۲۳۵ - اس ڈیڑھ سطر میں مرزا جی نے پورے دو جھوٹ بولے۔ اسکو "احادیث کی معتبر روائتوں" میں فرمایا حالانکہ یہ ایک ایسی ضعیف روایت ہے کہ خود مرزا جی کو بھی نقل کرتے یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے شرم آئی۔ پھر آپ نے کہا کہ "اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں" حالانکہ کوئی فرقہ بھی اسکو نہیں مانتا اگر آپ کے فرقہ لغویہ کو شمار نہ کریں)۔

حضرت مسیح کی عمر مفسر ابن کثیر مسیح کی عمر کے باب میں لکھتے ہیں فانہ رفع وله ثلاث وثلثون سنة فی الصحیح رفع آسمانی کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی موافق صحیح حدیث کے۔ اور دوسری روائتیں جو اس کے خلاف ہیں انکو شاذ غریب بعید کہہ دیا۔ یہی ۳۳ سال کی عمر بسند ابن عباس منقول ہے (دیکھو تفسیر خازن و درمنثور) غرضیکہ تمام مسلمان اور تمام عیسائی اس بات کے ہمیشہ سے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی عمر زمین پر کل ۳۳ سال ہوئی۔

اب ناظرین یہ تماشا دیکھئے کہ اس وقت "احادیث میں معتبر روائیتوں سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی صلعم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی" اور نبی صلعم کا یہ قول احادیث معتبرہ روائتوں

مرزا کے لغو اقوال ہمیشہ ہی سے موجود ہونگی اور قرآن و حدیث میں مرزا جی کے اعجازی معلومات کا بازار بھی آج ۲۲ برس سے گرم ہو رہا ہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کیا ازالۃ الاوہام لکھتے وقت جسکی نسبت آپ کا یہ قول ہے "خدائے تعالے نے اس تالیف میں میری وہ مدد کی ہے جو میں بیان نہیں کر سکتا" صفحہ ۵۶۳ آپ کا علم کہیں چرنے گیا تھا جو جناب اس وقت مسلم اور مشکوٰۃ کی

حدیثیں نقل کر کرکے یہ ثابت کر رہے تھے کہ مسیح کی عمر ساٹھ برس سے بھی زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ "اکثر عمریں میری اُمت کی ۶۰ سے ۷۰ برس تک ہونگی اور ایسے لوگ کمتر ہونگے جو اُن سے تجاوز کریں" یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس اُمت کے شمار میں آگئے پھر اتنا فرق (عمر میں) کیونکر ممکن ہے" صفحہ ۹۲۳ "دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین پر پیدا ہو گیا اور خاک میں سے نکلا وہ کسی طرح سو برس سے زیادہ نہیں رہ سکتا" صفحہ ۹۲۵ - اور پھر ابھی کل ہی کا تو ذکر ہے کہ آپ نے اپنے مکتوب عربی میں لکھ دیا تھا کہ "بعض اولیائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح کی زندگی آنحضرت صلعم کی زندگی سے بھی تھوڑی تھی" صفحہ ۱۳۲+

اب آپ ہی کچھ شرم کیجئے کہ کیونکر نبی صلعم نے فرمایا کہ مسیح کی عمر ۱۲۵ برس کی ہوئی" اور کیونکر اس بات کو اسلام کے تمام فرقے مانتے ہیں" ہم نے بڑے بڑے جھوٹوں کا حال سنا مگر ایسا بڑھا چڑھا تو کوئی بھی نہیں گذرا۔

تین حدیثوں میں مرزا کی تحریف لفظی و معنوی

۴- آپ نے بحوالہ کنز العمال یہ تین حدیثیں نقل کی ہیں ہمیں اصل کتاب سے مقابلہ کرکے جانچ لینے کا موقع نہیں ملا (۱) اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الی مکان لئلا تعرف فتوذی یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ تو نقل کر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف تاکہ کوئی پہچان کر دکھ نہ دے (۲) کان عیسیٰ ابن مریم یسیح فاذا امسیٰ اکل بقل الصحراء ویشرب الماء القراح یعنی عیسیٰ بن مریم سفر کیا کرتے تھے جہاں شام ہوتی جنگل کی بقولات کھا لیتے اور صاف پانی پی لیتے (۳) قال احب شیء الی اللہ الغرباء قیل ای شیء الغرباء قال الذین یفرون بدینہم و یجتمعون الی عیسیٰ ابن مریم یعنی فرمایا سب سے پیارے خدا کی جناب میں غریب لوگ ہیں پوچھا غریب سے کیا مراد فرمایا وہ لوگ جو اپنا دین لے کر بھاگتے ہیں اور عیسیٰ بن مریم کے پاس جمع ہوتے ہیں صفحہ ۲۲۹+

پہلی حدیث میں مرزاجی نے یہ تصرف فرمایا کہ انتقل من مکان الی مکان کے معنی بتلائے "ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جانا" حالانکہ اسکا ترجمہ صرف یہ ہی ہے "نقل کر ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف" دوسری حدیث میں لفظ یسیح کا ترجمہ جو صرف یہ ہے "سفر کرتے تھے" آپ نے بلاخوف یہ کہدیا "ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے" اور پھر تیسرے یجتمعون الی عیسی بن مریم کے معنی صرف اسی قدر ہیں جمع ہوتے ہیں عیسے بن مریم کے پاس۔ آپ نے اسکا ترجمہ یہ فرمایا "جو عیسے مسیح کی طرح دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں" اب کہو کہ یہ نری تحریف ہوئی کہ نہیں لفظی بھی اور معنوی بھی اور اس سے آپکی جہالت بھی ثابت ہوئی ہے اور بددیانتی بھی بلکہ دونوں۔ اور اس تحریف و تبدیل کے بعد بھی آپ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان حدیثوں نے کچھ بھی تو آپ کی دستگیری نہ کی پہلی اور دوسری حدیث اسرائیل شریف کے بیان کے مطابق ہیں جس وقت سے مسیح اپنی قوم کے سامنے ظاہر ہوئے آپ ہمیشہ اپنے ملک میں شہروں شہروں گاؤں گاؤں دعوت دین کرتے پھرا کئے کسی جگہ مقیم نہیں ہوئے۔ اور مرزاجی کا قول مردود ہوگیا کہ آیت آوینٰہما الی ربوۃ زمانہ مابعد صلیب کی طرف اشارہ کرتا ہے جب آپ گویا ہند میں آرہے گئے تھے۔ انجیل شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے کہا "جہاں کہیں تو جائے میں تیرے پیچھے چلونگا یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کیلئے اتنی جگہ بھی نہیں کہ وہ اپنا سر رکھ سکے" لوقا ۹ ۵۸ اور انکا عام ارشاد تھا "جب تم کو ایک شہر میں ستائیں دوسرے میں بھاگ جاؤ" اور یہ اشارہ اسرائیل کے سب شہروں کی طرف تھا متی ۱۰ ۲۳ یہودیہ کو چھوڑ کے کسی دوسرے ملک کو بھاگ جانے کا حکم نہ تھا۔ تیسری حدیث آپ کی تحریف سے پاک ہو کر بحث سے بالکل غیر متعلق ہوگئی ہے یا تو اس میں اشارہ اُن غریب لوگوں کی طرف ہے جو جوق جوق حضرت مسیح کے ساتھ رہا کرتے تھے یا ان کی طرف جو قرب قیامت

دجال کے فتنے سے اپنا ایمان سلامت لے کر بھاگینگے اور حضرت مسیح کے جھنڈے تلے جمع ہونگے۔ پس سفر کرنے والے یہ غریب لوگ ٹھیرے نہ کہ مسیح ؛

چہاردہم۔ سری نگر کی قبر کے متعلق مرزا جی صاحب کی کل بحث بناء فاسد علی فاسد کا ایک عمدہ نمونہ ہے جس میں عقل و شعور کی بو تک نہیں۔ آپ کے دلائل (اگر ایسے پھر بکواس کو یہ نام دیا جا سکے) ماروں گھٹنہ پھوٹے سر آباد کی برجستہ نظیر ہیں بالکل اُس قسم کی جن سے بعض عیار تکیہ دار جہلا کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی ولی یا شہید کا مزار ظاہر ہو گیا تاکہ عورتیں منتیں ماننا اور چادریں چڑھانا شروع کر دیں۔ یہ خان یار کا چبوترہ گویا جناب مرزا جی صاحب کی امامت اور مہدویت کی اساس ناسپاس ہے اور آپ کے سلسلے کا نام اگر خان یاری رکھا جائے تو بہت ہی موزون ہوگا۔ آپ تو انجیل اور قرآن اور حدیث کے معنی بگاڑ کر بہت ذلیل ہو چکے۔ اس لئے ہم آپ کو محض للہ ایک ایسی متعلق اور مضبوط حدیث سناتے ہیں جس سے آپ کی تمام درپیچ الجھی ہوئی تقریر کا جعل مثل تار عنکبوت کے زائل ہو جاتا ہے ؛

مرزا کے دعوے کے خلاف حدیث

مسلم شریف میں یہ حدیث ہے عن ابوھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقدت امۃ من بنی اسرائیل لا یُدری ما فعلت ولا اراھا الا الفار (احادیث متفرقہ) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک اُمت گم ہو گئی تھی کچھ نہ معلوم ہوا کہ اسکا کیا ہوا میری دانست میں وہ چوہے ہیں (جو مسخ ہو گئے)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کو نہیں معلوم تھا کہ گم شدہ یہودی کشمیر میں آبسے تھے (۲) آپ کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ جامہ انسانیت میں برقرار تھے (۳) آپ کو نہیں معلوم تھا کہ مسیح انکے پاس گئے تھے (۴) اور آپ کے ذہن میں یہ بھی نہیں آسکتا تھا کہ ربوۃ کشمیریوں کا دیس تھا (۵) آپ کو یقین تھا کہ جسطرح بعض یہود بندر اور سؤر بن گئے اسی طرح بنی اسرائیل کی گمشدہ اُمت چوہے بن

گئی تھی (۶) اگر آپکو اس بات کا وہم بھی ہوتا کہ گم شدہ یہودی کشمیر کو گئے تو اس حدیث میں ضرور فرما دیتے کہ امت گم شدہ کے ایک حصہ نے ابن مریم کو قبول کر لیا اور وہ اب تک ربوہ میں مقیم ہیں ؛

اب ایک اور حدیث سن لیجئے اور گریبان میں سر ڈالئے ۔ سب لوگ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت موسےٰ نے زمین پر انتقال فرمایا اور زمین پر آپ کی قبر موجود ہے گو لا پتہ ہے ۔ اور توریت شریف آخر باب میں لکھا ہے کہ کسی بشر کو موسےٰ کی قبر کا پتہ نہیں لگا ۔ باوجودیکہ اس قبر کا پتہ لگ جانا کوئی بہت بڑی ضروری بات نہ تھی ۔ تو بھی آنحضرت نے فرمایا تھا کہ مجھکو اس قبر کا پتہ ہے اور بتلا دیا کہ بیت المقدس سے ایک پتھر کی مار پر راہ کے کنارے سرخ ٹیلے کے تلے ہے قبرہ الی جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر (مسلم فضائل موسےٰ) پھر کیوں حضرت مسیح کی قبر کا پتہ آنحضرت نہ بتلا دیتے جبکہ نہ صرف پتہ ہی لوگوں کو نہ معلوم تھا بلکہ جسکے وجود کا کسی کو گمان بھی نہیں ہوا تھا ۔ اور جو بقول مرزا ایک ایسی ضروری اور اہم حقیقت تھی جسکے فاش ہو جانے سے دین عیسائی مٹ جاتا اور صدیوں کے عیسائی دنوں میں کل کے کل مسلمان ہو جاتے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے معلومات اپنے آقا سے بھی بہت بڑھے ہوئے ہیں جنکے غلام ہو جانے کا آپکو زبانی فخر حاصل ہے ؛

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

خاتمہ ۔ ناظرین اب مرزا کی جو گویا مزار کا الٹ پھیر بنے ہوئے ہیں مشکلوں پر بھی نظر فرمائیے اور اس گم گشتہ راہ حقیقت کی حالت زار پر ترس کھا کر اسکے حق میں دعا کیجئے ۔ آپ مذبذبین بین ذالک کبھی عیسائیوں کی طرف رخ کرتے ہیں کبھی مسلمانوں کی طرف مگر ہر طرف سے دھکیلے جاتے ہیں ۔ عیسائیوں کی تو آپ نے بہت کچھ تصدیق کر دی اور پکار دیا کہ (۱) مسیح ضرور صلیب پر چڑھائے گئے (۲) ضرور بعد صلیب اپنے شاگردوں سے ملے (۳) ضرور قرآن نے مسیح کی جسمانی موت پر گواہی دی ؛

مسلمانوں کو آپ نے خوب ہی جھٹلایا اور کہدیا کہ (۱) مسیح کا رفع جسمانی نہیں ہوا ۔

(۲) قرب قیامت مسیح کو ہرگز وفات نہ ہوگی (۳) اور نہ قبل رفع چند ساعت کے لئے خدا نے مسیح کو وفات دی تھی۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو عیسائیوں کے قول میں ایک معقول ربط موجود ہے کہ خدا کو منظور ہوا کہ مسیح اس کی راہ میں شہید ہوں اس لئے دشمنوں کے ہاتھ سے آپ کو صلیب ہوئی صلیب کے باعث موت ہوئی۔ پھر تین دن بعد موت خدا نے آپ کو زندہ کر دیا اور مومنین کو ایک بے نظیر نمونہ قدرت دکھلایا اور آپ کو مع جسم آسمان پر اٹھا لیا:۔

مسلمانوں کے قول میں بھی ربط موجود ہے۔ کہ خدا کو منظور نہیں ہوا کہ ایسا پاک مقرب نبی اُسکا کلمہ اور روح دشمنوں کے ہاتھ میں پڑکر ذلیل ہو اُس نے آپ کو بالکل صلیب سے محفوظ کر کے صرف چند ساعت وفات دی اور آسمان پر اُٹھا لیا:۔

عیسائی اور مسلمان دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قرب قیامت مسیح بڑے جاہ وجلال کے ساتھ آسمان سے نازل ہونگے اور ہزارہا سال کی ابتری کو مٹا کر فرش زمین کو عرش بریں کا نمونہ بنا دینگے:۔

مرزا اور اُسکا دعوے اب مرزا صاحب کی شامت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ بڑی متانت سے مسلمانوں اور عیسائیوں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ مسیح دوبارہ نازل نہ ہونگے: نازل ہونے والا میں خود ہوں۔ مَیں دنیا میں امن چین پھیلا رہا ہوں میں حاکم عادل ہوں میں دلوں سے کینہ بغض اور حسد مٹاتا ہوں مال اِس فراوانی سے موجود ہے کہ جو کسی کو دو تو لیتا نہیں۔ اونٹنیاں چھوٹی پھرتی ہیں کوئی پکڑتا نہیں مسلمان مجھکو بلا رہے ہیں آئیے نماز میں ہماری امامت کیجئے۔ میں حج کر چکا۔ مدینے میں حضرت کی قبر پر سلام کر رہا ہوں اور صلیب تو تمام ٹوٹ گئے:۔

اے مسلمانو۔ کیا میرے مسیح موعود ہونے کی بدیہی علامات نہیں دیکھتے۔ دیکھو تو جنگ و جدل کشت و خون کیسے بڑھے ہوئے ہیں یہی تو امن چین ہے۔ حکومت اور عدالت

کا اسلام سے نام مٹ گیا۔ پھر ہیں حاکم عادل کیسے نہیں؟ مقدمات عدالتی کی یہ کثرت کہ میں ہر روز گھسیٹا جاتا ہوں پھر بغض و کینہ کیسے نہیں مٹا؟ میں آئے دن چندوں کا تقاضا کرتا ہوں مرید ٹالتے ہیں پھر مال کیونکر نہیں بڑھا؟ سرقہ مویشی کی ہندوستان میں دھوم دھام ہے مسلمانوں نے فتوے دے دیئے کہ کوئی میرے جنازے کی نماز نہ پڑھے۔ حج مجھ کو آج تک نصیب نہیں۔ گرجے تعمیر ہو رہے ہیں صلیب نصب ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے مجھ پر لعنت کی بوچھاڑ ہے۔ واہ رے مہدی مسعود!!!

آپ مسلمانوں کی تکذیب کرکے فرماتے ہیں کہ مسیح کو تو صلیب ہوگئی اور ضرور ہوئی اور مصلوب پر یہ تاکید و اصرار۔ پھر بھی آپ نہ صرف مسلمان بلکہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ نہ صرف قرآن ماننے والے بلکہ قرآن جاننے والے ہیں۔

آپ مسیح کے مصلوب ہونے اور وفات پانے میں عیسائیوں کی تصدیق کرتے ہیں مگر دونوں واقعوں کو علت اور معلول نہیں مانتے۔ آپ موت کے قائل ہیں مگر موت کے اسباب نہیں بیان فرما سکتے۔ آپ صلیب کے قائل ہیں مگر اسکو باعث موت نہیں مانتے پھر آپ رافعک الیّ کو بھی خوب ہی مانتے ہیں۔ مگر رفع جسمانی نہیں مان سکتے اگر آپ رفع جسمانی مان سکتے تو پھر سرینگر کی قبر کی کیا حاجت تھی؟ خان یار کے مقبرے پر تو اسی عقدہ کو حل کرنے کے لئے سفیدی چڑھائی گئی۔

مسیح کے رفع جسمانی پر مرزاجی کی فیلسوفی	

اگر جناب والا فرمائیے تو رفع جسمانی ماننے میں کون قباحت لازم آئی کہ آپ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے کم مگر گھسیٹے بہت گئے: ناظرین سن لو "نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ جائے" ازالۃ الاوہام ص ۴۷+

لے یہ بھی یاد رہے کہ مرزا صاحب باوجود نئے اور پرانے فلسفے کے شاگرد متبع ہونے کے پھر بھی یسوع مسیح کے بغیر وسیلہ باپ کے محض خدا کی قدرت کاملہ کے ذریعے سے پیدا ہونے کے قائل ہیں۔

ع اے روشنیٔ طبع تو برمن بلا شدی - حیف امامت کا جُبّہ و دستار آپ نے اُتار پھینکا اور فلسفے کے ڈر کے مارے سر سیّد مرحوم کی آرام کُرسی کے تلے جا چھپے - آپ تو یہ مان رہے ہیں کہ حضرت یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں تسبیح و تہلیل کرتے زندہ رہے اور صحیح و سلامت اُسکے پیٹ سے نکل کر قوم سے جا ملے پھر نئے اور پرانے فلسفے نے آپ کے وہم کا ازالہ نہ کیا اور آج تک نہ ڈانٹا کہ اے احمق تو نے کیسے مان لیا کہ ایک خاکی انسان مضغۂ گوشت لقمۂ نہنگ دریا ہو جاوے اور اُسکے معدے کے کرۂ نار میں جو استخوان راکھ کر ڈالتا ہے - تین دن رہے اور ہضم ہو کر کیلوس اور کیموس نہ ہو جائے تو نے کیسے مان لیا کہ وہ پھر دوبارہ منہ کے رستے برآمد ہو گیا؟ آپ ہی ہیں جو مسیح کے رفع جسمانی کے لئے کرۂ زمہریر کو سدِ راہ سمجھتے ہیں +

مرہم رسل

ہر یکے از ما مسیح عالمیست   ہر الم را در کف ما مرہمیست

مرزا کا دعوےٰ مرزا صاحب نے بڑی طمطراق سے لکھ دیا تھا کہ "قریباً ہزار طبی یونانی کتابوں میں
ایک مرہم لکھی ہوئی ہے جو مرہم عیسےٰ اور مرہم حواریین اور مرہم شلیخا کے نام سے موسوم ہے۔
ان کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے
لئے بنائی گئی تھی" ریویو جلد اول ص ۱۹۱۔ آپ کا پہلا قول سن کر ہم کو ایک ذرہ بھی تعجب
نہیں ہوا تھا کہ کوئی مرہم ایسے ایسے متبرک ناموں سے عوام اور خواص میں مشہور ہو گیا۔
اعجاز عیسوی کیونکہ مسیحائی تو آج دو ہزار برس سے ضرب المثل ہو رہی ہے جس نے کوڑھی
کو چنگا کیا۔ اندھے مادر زاد کو بینا کیا۔ ہر قسم کے بیمار کو شفا بخشی جسمانی اور روحانی دردوں
کا مداوا کیا حتّٰی کہ مُردوں کو زندہ کیا بلکہ خاک کے پُتلے کو پھونک مار کر طائر پَراں بنا دیا۔ وہ
جو سراپا شفا اور دوا تھا اگر کسی دارو کو اُسکے نام سے منسوب نہ کرتے تو کیا کسی [illegible] اور سقیم
کے نام سے کرتے؟ دواؤں میں معجونِ مسیحی مشہور ہے اور [illegible] مسیح بھی
(قرابادین شفائی نولکشوری ص ۱۷۳ و ۱۸۳) بلکہ طب کی کتابوں کے نام بھی ایسے ہیں
جیسے عجالہ مسیح۔ یہ تو ایک بالکل معمولی بات تھی ؎
مرغ عیسےٰ اگر کوئی بات تعجّب کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جو شخص مرہم عیسےٰ پر ایسا گرویدہ
ہو گیا ہو کہ ہر قرابادین کو آیت و حدیث ماننے لگے وہ مرغ عیسےٰ سے سراسر منکر ہے جس پر
خود قرآن شریف شاہد ہے ؎

اگر مرزا صاحب اس مرہم کے نام ہی کو اپنی غلط فہمی کی بنیاد بتاتے تو ہم اُن سے کچھ بھی باز پرس نہ کرتے اور اُنکو اپنا خیالی پلاؤ پکانے دیتے مگر اُنکے دوسرے قول نے ہم کو مجبور کر دیا اور ہم کو کہنا پڑا ھُوَ اَکْذَبُ مِنْ قرابادین الطباء کہ وہ بقول شخصے طبیبوں کے قرابادین سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس بہتان کا دروازہ بند کرنے کی نیت سے اپنے آرٹیکل مطبوعہ ترقی ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء میں مرزا صاحب سے دو باتیں دریافت کی تھیں

دو سؤال ایک یہ کہ "وہ کون لوگ تھے جو لکھ گئے کہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"؟
دوسری یہ کہ اگر بالفرض انہوں نے ایسا لکھا بھی تو آپ کے اِن فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں"؟

ہمارے انہیں سؤالوں کے ٹالنے کی غرض سے جناب مرزا صاحب نے اپنے ریویو ماہ اکتوبر میں بعنوان "طبی شہادت" کچھ ایسا گول مول لکھ دیا کہ جواب تو ہمارا مطلق نہ ہؤا مگر عوام الناس کو دھوکا ضرور پڑ گیا ہوگا۔ اس لئے ہم کو یہ راز محققانہ طور سے فاش کرنا پڑا؛

ناظرین خوب یاد کرلیں کہ مرزا صاحب نے یہ دعوے کیا تھا کہ "ان قریباً ہزار (پرانی طبی) کتابوں کے تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی" پس ہمارے پہلے سوال کے جواب میں مرزا صاحب کو مناسب تھا کہ قریباً ہزار فاضل مؤلفوں میں سے چند سب سے قدیم اور سب سے فاضل مؤلفوں کی شہادت اس بارے میں پیش کر دیتے کہ "یہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی" تاکہ ہم اس تحقیق میں مصروف ہو جاتے کہ اِن فاضل مؤلفوں کے ذرائع معلومات کیا ہو سکتے ہیں۔"

رومی قرابادین مرزا جی کی غرض چونکہ تحقیق سے نہیں ہے انہوں نے اور طریقہ اختیار کیا۔ آپ فرماتے ہیں "پہلے رومی زبان میں حضرت مسیح کے زمانہ میں ہی کچھ تھوڑا عرصہ واقعہ صلیب کے بعد ایک قرابادین تالیف ہوئی جس میں یہ نسخہ تھا اور جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی چوٹوں کے لئے یہ نسخہ بنایا گیا تھا۔" کیا اچھا ہوتا اگر مرزا صاحب اس قرابادین سے

یہ عبارت نقل کرکے بتلا دیتے کہ فلاں کتبخانہ میں یہ کتاب موجود ہے اور اسکی عمر کی نسبت بھی کوئی دلیل سُناتے۔ ناظرین سُن لو حضرت مسیح کے زمانہ کی کوئی ایسی رومی زبان کی قرابادین نہیں جس میں حضرت مسیح کے کسی مرہم کا یا آپ کے زخموں کا کوئی اشارہ بھی ہو جنکے لئے مرہم تجویز کیا جانا بیان کیا گیا ہو۔

ترمیم دعوے اب ناظرین ایک لطف ملاحظہ کریں۔ پہلے تو آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"۔ اب آپ نے اس قول کو ترمیم کرکے یہ فرمایا ہے "سب نے اس نسخہ کے بارے میں یہی بیان کیا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے انکے حواریوں نے تیار کیا"۔ اور اُسکے معنے ہم یہ سمجھے کہ جناب والا نے چوٹوں اور زخموں کی نسبت قریباً ایک ہزار اطباء پر بہتان باندھا تھا۔ اب ان الفاظ کو عبارت سے حذف کرکے آئندہ کے لئے اس قول سے توبہ کرلی اور اقبال کرلیا کہ کسی فاضل یا بوالفضول مؤلف نے ہرگز ہرگز یہ نہیں لکھا کہ کوئی مرہم عیسےٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"۔

فہرست کتب طب مرزاجی نے طب کی کچھ کتابوں کی ایک فہرست دی ہے جس میں قرابادین رومی کو بھی داخل کیا ہے اور اُس پر چوب قلم سے یہ عنوان قائم کیا ہے "فہرست اُن کتابوں کی جن میں مرہم عیسےٰ کا ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسےٰ کے لئے یعنی انکے بدن کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"۔ ان کتابوں میں سے کوئی نہ کوئی کتاب ہر شہر میں مل سکتی ہے۔ جسکو دیکھ کر ناظرین خود اپنا اطمینان کریں کو ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ ہم تو مرزا صاحب کے پہلے ہی سے قائل تھے اور لکھ بھی چکے ہیں کہ "کتابوں کا نام صفحہ و سطر بتا کر آپ سینکڑوں جھوٹ بول سکتے ہیں"۔ مگر یہ تماشا سا ہو رہا ہے۔

بوعلی سینا اس فہرست میں نمبر اول قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا ہے۔ میں یہاں اسکی عبارت اُردو ترجمہ نولکشوری جلد پنجم صفحہ ۹۳ سے نقل کرکے دکھلاتا ہوں کہ مرزا صاحب کیسے سچے آدمی ہیں۔

مرہم رُسل۔ اس مرہم کو مرہم ذلیسلیخا بھی کہتے ہیں یعنی مرہم حوارین کا۔ اور مرہم زہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایسا مرہم ہے کہ بہ آسانی نواسیر سخت اور خنازیر سخت کی اصلاح کرتا ہے کوئی دوا مثل اسکے نہیں ہے اور کچھ زرد نکے مُردار گوشت اور سب کو نکال ڈالتا ہے اور اندمال کرتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں"؛

مرزا کا بہتان پس ناظرین دیکھ لو (۱) شیخ نے اس مرہم کو مرہم عیسیٰ بھی نہیں کہا (۲) اُس نے یہ بھی نہیں کہا کہ حواریوں نے بنایا (۳) یا آنکہ عیسیٰ کے لئے بنایا (۴) یا عیسیٰ کے بدن کے زخموں کے لئے بنایا (۵) اُس نے اس میں کوئی اشارہ یا کنایہ حضرت عیسیٰ کے زخموں یا چوٹوں کا نہیں کیا (۶) بلکہ شیخ اس لغو خیال کا بھی قائل نہیں کہ اس مرہم کو کوئی حقیقی نسبت حواریوں سے ہے (۷) اس محقق پرانے طبیب نے آج سے نوسو برس پیشتر عوام کے اس گمان کو اس عبارت میں گویا رد کیا ہے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ یہ بارہ دوائیں بارہ حواریوں کی طرف منسوب ہیں" اسکو شیخ کا کلام مان لینا محض سادہ لوحی ہے۔ اب ہم مرزا جی کے اس سخن کو کیا کہیں کہ "تمام فاضل مؤلف گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"۔ اور شیخ سے بڑھکر ہم کون فاضل تلاش کریں جس پر مرزا جی نے اتنا بڑا بہتان باندھا اور وہ بھی ایک بہتان نہیں بلکہ بہتانوں کا تسبیحِ صد دانہ ہے جسکو مرزا جی نے شیخ کے نام سے پھیر پھیر کر جہلا کو کتنا بڑا دھوکا دیا۔ افسوس بسم اللہ ہی غلط کر دی۔ اب ہم کو کیا ضرورت ہے کہ اور کتابوں کی ورق گردانی کریں ہم آپکے صدق مقال کے قائل ہو چکے؛

عوام کا خیال اصلی بات جو کچھ تھی وہ شیخ الرئیس فرما چکے۔ اور متاخرین میں سے زیادہ سے زیادہ اگر کسی نے کچھ لکھا تو بلا سند و بلا تحقیق وہی غلط العام فصیح فقرہ "اجزاء این نسخہ دوازدہ عدد است کہ حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام ترکیب کردہ" (دیکھو قرابادین فارسی حکیم اکبر ارزانی نولکشوری صفحہ ۵) اور شارح الاعراض حکیم محمد شریف خان دہلوی (نولکشوری) ص ۹۳ اور لقائی بر حاشیہ میزان الطب [?] دو (قطعاتی [?]) صفحہ ۱۰۱ غرضیکہ کسی نے حضرت مسیح کے زخموں کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس مرہم کو اُن سے منسوب کیا اور مرزا جی کے تمام حوالجات محض لغو ہیں؛

غلطی [illegible] مرزا جی نے نہ صرف یہی غلط کہا تھا کہ "تمام اطباء گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرہم حضرت عیسیٰ کے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی" بلکہ یہ قول بھی انکا لغو ہے کہ "یہ نسخہ اُن چوٹوں کیلئے نہایت

مفید ہے جو کسی ضربہ یا سقطہ سے لگ جاتی ہیں" خود شیخ بتلا چکا کہ یہ مرہم نواسیر اور خنازیر
اور پھوڑوں کے مردار گوشت کا علاج ہے اور حکیم ناظم جہان اکسیر اعظم جلد رابع و نظامی
صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں "مرہم رسل منسوب بحواریین در خنازیر و قروح و آثار عظیم یافتہ اند" غرضیکہ اسی
طرح اور اطبا نے بھی اسکو سرطانی اور خنازیر اور طاعون وغیرہ گندے پھوڑوں کا علاج
کہا ہے۔ اور جیسا کہ خود تمہاری فہرست سے معلوم ہوتا ہے امراض جلد حصہ باب میں اسکو
بیان بھی کیا۔ بھلا اسکو ضربہ و سقطہ سے کیا مناسبت اور یوں آپکو اختیار رہتا ہے آپ اسکو
دوران سر کا علاج سمجھیں یا اسہال کا اور جسم کے جس حصہ میں چاہیں چپڑیں ؛؛

اس مرہم کے مختلف نام

بیان تو ہم نے صرف مرزاجی کی گفت و شنید سے بحث کی ہے۔ اب ہم اس امر کی تحقیق
کرتے ہیں کہ اس مرہم کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ کیا کیا نام اسکو دیئے گئے اور کیوں اسکے
ایسے نام پڑے۔ نہ معلوم کیوں مرزاجی قرابادین کبیر کا نام ترک کر گئے۔ حالانکہ نسبتہً اسی میں مرہم
رسل کا زیادہ ذکر آیا ہے۔ اسکی عبارت یہ ہے "مرہم حواری۔ ایں مرہم را مرہم رسل نیز نامند وجہ تسمیہ کردہ
شد در قرابادین رومی بہ مرہم سلیخا معروف و بہ مرہم زہرہ و گفتہ کہ ایں مرہم دوازدہ دوا است
حواری حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ السلام کہ ہر یک یک دوا را اختیار کردہ ترکیب نمودہ اند و ایں مرہم
مرہم ہا است۔" اسکے بعد یہ بھی لکھا ہے "و گفتہ کہ ایں مرہم را مرہم سنجار و اثنا عشری نیز نامند"
جلد دوم صفحہ ۵۰۸ و ۵۰۹ ؛؛

پس معلوم ہوا کہ اس مرہم کا کوئی ایک نام نہیں بلکہ متعدد نام ہیں سلیخا۔ رسل۔ حواریین۔
اثنا عشری۔ زہرہ۔ سنجار۔ سب سے کم مشہور نام اسکا مرہم عیسیٰ ہے جسکو نہ شیخ نے ذکر کیا
نے نہ اسرائیلی نے اور نہ صاحب قرابادین کبیر نے۔ اور سب سے قدیم اور معروف نام سلیخا
اور یہ قول تو نہایت ہی غریب ہے کہ یہ نسخہ حضرت عیسیٰ کیلئے بنایا گیا اور گو اس قول کے
مفہوم ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ مطلب تو ہرگز نہیں چسپاں ہو سکتا جو تم سمجھتے ہو ؛؛

وجہ تسمیہ

اب یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جب اس مرہم کا نام رسل پڑ گیا تو نادانوں

اپنے ذہن سے یہ خیال تراش لیا کہ چونکہ اس میں بارہ اجزاء ہیں اسلئے اسکو مسیح کے بارہ رسولوں نے بنایا ہوگا۔ اور محققین نے اس خیال کو صرف نقل کردیا اس پر کبھی صاد نہیں کیا۔ چنانچہ شیخ نے بھی اتنا ہی لکھا "لوگ کہتے ہیں"۔ اور صاحب قرابادین کبیر نے بھی یہی لکھا "گفتہ"۔ مگر یاد رکھو لوگوں نے جو کبھی کہا تو صرف یہی کہا کہ ان بارہ دوائیوں میں سے ہر ایک مسیح کے ایک ایک رسول یعنی حواری نے بتائی کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس نسخہ کو مسیح نے بتایا یا یہ کہ مسیح کے زخموں کیلئے تیار کیا گیا۔

مگر کیا کوئی محقق طبیب ہے عیسائی یا مسلمان یہودی یا مجوسی جو عوام کے اس خیال کا قائل ہوسکے کہ دراصل بھی اس دوا کو بارہ حواریوں نے تیار کیا تھا۔ کیا لوگ بھول گئے کہ مرکبات کے

مرکبات کے شاعرانہ نام

ایسے ایسے متبرک نام اور انکے متعلق عجیب وغریب فسانے ہمیشہ مشہور رہے ہیں۔ کون یونانی طبیب ہے جو قرص کوکب کے نام سے واقف نہیں۔ اسی قرابادین کبیر جلد دوم میں لکھا ہے "شیخ رئیس گفتہ کہ مبالغہ کردہ اند قدمائے اطبا در تعظیم ایں قرص۔ شیخ داؤد انطاکی گفتہ کہ وجہ تسمیہ ایں قرص بکوکب ایں است کہ صاحب ایں قرص سماجیوس حکیم تسخیر کوکب زحل کردہ بود و بزعم سلیموس آنست کہ زحل با آں خطاب کردہ بصفت ومنافع ایں قرص"۔ یہ نہیں سمجھتا کہ جو شخص مرہم رسل کا معتقد ہو جائے وہ کیوں قرص زحل سے بدگمان رہے جسکی تعظیم میں قدمائے اطبا نے اس قدر مبالغہ صرف کیا تھا۔ پھر اور سنو۔ اسی قرابادین میں ایک دوائے مسمیٰ بہ عطیۃ اللہ کا نام موجود ہے جسکے معنے ہیں خدا کی بخشی ہوئی دوا (جلد دوم صفحہ ٣٦) شیخ نے بھی قرابادین میں اسکا بہت کچھ ذکر کیا۔ اور کیا جناب مرزاجی نے کبھی کسی قرابادین میں کسی دوا کی یہ تعریف نہیں پڑھی "دوائے کہ مردم اسناد آں بجبرئیل امین علیہ السلام نسبت کردہ اند جہت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام آوردہ شدہ بطریق تحفہ" (قرابادین اکبری)۔

مرہم کا یونانی نام اور وجہ تسمیہ

جس زمانہ میں فرنگستان میں طب جالینوس رائج تھا صدہا مرکبات کے ایسے ہی شاعرانہ نام وہاں بھی مشہور تھے۔ ایک تریاق تھا جسکا یونانی نام "دوڈیکا یوناخون" ہے یعنی بارہ دیوتا۔ اس میں بھی بارہ اجزا تھے جو یونان کے ١٢ بڑے دیوتاؤں سے منسوب ہوئے۔ مرہم رسل جسکا یونانی نام

ڈوڈیکافارمیکم یعنی بارہ دوائیں ہے۔ عیسائی اطبانے یونانیوں کے تریاق بارہ دیوتا کے مدمقابل اسکو بارہ رسول کے نام سے منسوب کر کے انگوئنٹم اپاسٹولورم زبان لاطینی میں کہنا شروع کر دیا (دیکھو ڈاکٹر ہوپر کی مڈیکل ڈکشنری) جسکے معنے ہیں مرہم رسل اور اس نام میں محض ۱۲ عدد کی رعایت منظور تھی۔ مسلمان اطبانے اسی عدد ۱۲ کی رعایت سے اسکو اثنا عشری کہا اور اب مسلمانوں کو بھی حق ہو گیا کہ وہ اسکو بارہ اماموں سے منسوب کردیں۔ مگر نہ قرص کوکب زحل کا دیا ہوا نسخہ تھا نہ عطیۃ اللہ خدا کا اور نہ مرہم عیلیے اور مرہم رسل اور مرہم اثنا عشری مسیح یا حواریوں یا اماموں کا دیا ہوا ہے ۞

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے قدیم نام اسکا اسم بامسمٰے ڈوڈیکافارمیکم ہی تھا یعنی بارہ دوائیں جسکا ترجمہ اثنا عشری ہوا اگر یونانیوں کے تریاق کی ریس میں مجوسیوں نے جو منجم ہوتے تھے اپنے عقیدے کی رعایت میں اسکو مرہم زہرہ کہا یہودیوں نے اپنے عقیدے کے موافق اسکو مرہم شلیخا کہا عیسائیوں نے مرہم رسل اور مسلمانوں نے اثنا عشری۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں مگر چونکہ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ یونانی طبابت کا دور دورہ ہی مٹ گیا۔ آگے کو ان اماموں کا سد باب ہو گیا اور اب کتابوں میں نام ہی نام اور شاعرانہ گپیں باقی رہ گئیں۔ جن سے کبھی کبھی بعض عیار جہلا کو ٹھگ لیتے ہیں ۞

لفظ شلیخا کی تحقیق

اب یہ سوال ہے کہ اس مرہم کا نام شلیخا کیوں پڑا۔ اسکی وجہ تسمیہ کیا ہے اور یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ مرزاجی نے محض غلط لکھا کہ شلیخا کا لفظ یونانی ہے جو باراں کو کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے اس لفظ کو یونانی سے کوئی واسطہ نہیں یہ نرا عبرانی لفظ ہے اور بہت مشہور جسکو شفائے عاجل کے ساتھ عوام کے ذہن میں ایک خاص مناسبت تھی اور کچھ بھی تعجب نہیں اگر کسی سریع التاثیر مرہم کو اس نام سے نسبت دی گئی۔ جب یہ لفظ عربی کتابوں میں لے لیا گیا تو چونکہ خود شلیخا ایک عربی لفظ بھی ہے بمعنی خوشبو و عطر (دیکھو منتہے الارب و قاموس) لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ لفظ عبرانی تھا۔ شاید انکا خیال صرف اس قدر ہوا کہ چونکہ اس مرہم میں مُر کی قسم سے خوشبودار

چیزیں شامل تھیں اسلئے اسکو مرہم شلیخا کہا یعنی خوشبودار مرہم اور اگر ایسا سمجھا تو غلط سمجھا۔ اس کے متعلق اہل فارس نے ایک اور غلطی کی ہے چنانچہ غیاث اور دیگر کتب لغت میں شلیخا کو لکھدیا نام مردیست کہ از اصحاب عیسیٰ علیہ السلام بود۔ اور یہ سراسر خطا ہے کسی حواری کا نام شلیخا نہیں ہے۔ چونکہ اس مرہم کو شلیخا بھی کہتے ہیں اور حواری بھی لوگ سمجھے کہ دونو ایک بات ہے اور اسطرح یہ غلطی پیدا ہو گئی ؛

طبیب اسرائیلی کا قول

ایسی ہی غلطی میں مرزا صاحب مبتلا ہیں۔ وہ اسکو یونانی لفظ سمجھتے ہیں اور اسکے معنی یاران بتلاتے ہیں اور ہم بھی انکی اس غلطی کو الہامی غلطی سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی فہرست کتب طب میں "تالیف افلاطون زمانہ و رئیس اوانہ ابی المنی ابن ابی النصر العطار الاسرائیلی الھارونی کی کتاب منہاج الدکان و دستور الاعیان کو بھی داخل کرکے اسکی نسبت بھی یہی دعوےٰ کیا ہے کہ اس میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مرہم حضرت عیسیٰ کے یعنی انکے زخموں کے لئے بنائی گئی تھی"۔ ہم اس کتاب (مطبوعہ مصر) کے صفحہ ۸۳ سے نقل کرکے دکھلائے دیتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس اسرائیلی پر بھی کتنا بڑا بہتان باندھا ہے طبیب موصوف نے صرف یہ لکھا ہے مرھم الرسل وھو مرھم الحواریین وھو مرھم الشلاحین ومعنی ھذہ اللفظۃ بالعبرانی الرسل یعنی مرہم رسل کو مرہم حواریین اور مرہم شلاحین بھی کہتے ہیں۔ اور لفظ شلاحین کے معنی زبان عبرانی میں رسل ہیں۔ چونکہ یہ طبیب اسرائیلی تھا زبان عبرانی کا عالم اس نے لفظ کے صحیح معنی بھی بتلا دئے اور سمجھا دیا کہ وہ لفظ عبرانی ہے۔ پس مرزا جی نے کیوں اسکو یونانی کہا؟ کیا یہاں بھی مرزا غلام قادر کے کشف نے دھوکا دیا؟

اسرائیلی پر مرزا کا بہتان

اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ نہ اس فاضل اسرائیلی طبیب نے حضرت عیسیٰ کا نام لیا۔ نہ مرہم کو ان سے منسوب کیا۔ نہ حضرت مسیح کے زخموں کی طرف کوئی اشارہ کیا۔ نہ اسنے مرہم کے بنانے والے کا تذکرہ کیا۔ پھر اب مرزا جی سے کوئی پوچھے کہ تم نے کیوں اس پر بہتان باندھا اور کیوں رسوا ہوئے؟ سچ ہے اللہ خوار کرتا ہے جسے چاہے جس شخص نے فن طبابت کے ایسے ایسے روشن ستاروں پر جھوٹ باندھا جیسے شیخ الرئیس اور اسرائیلی تو اسکا اعتبار اٹھ گیا اور

وہ مسیلمہ کذّاب سے گوئے سبقت لیگیا ۔

حوض شیلوخ کا تذکرہ

اب ہم بتلاتے ہیں کہ وجہ تسمیہ اس مرہم کی کیا ہے ۔ بیت المقدس میں ایک قدیم حوض تھا شیلوخ اور شیلیخ کے نام سے مشہور جسکا تذکرہ یشعیاہ ۸/۶ و نحمیاہ ۳/۱۵ میں بھی آیا ہے ۔ اور جو آج کل وہاں کے مسلمانوں میں برکتہ سلوان کے نام سے مشہور ہے ۔ ایسا ہی ایک دوسرا حوض تھا اسی جگہ بیت حسدا یعنی رحمت کا گھر جس کی نسبت مشہور تھا کہ کبھی کبھی ایک فرشتہ اُسکے اندر اُتر کر پانی کو ہلاتا تھا اور اُس وقت جو بیمار چاہے کسی مرض میں مبتلا ہو جو سب سے پہلے اُس میں اُتر جاتا فوراً چنگا ہو جاتا تھا اسکا ذکر انجیل شریف میں آیا ہے ۔ اس بیت حسدا میں پانی اُسی شیلوخ سے ہو کر آتا تھا ۔ دیکھو رابنسن کا سفرنامہ اور تفسیر اردو انجیل یوحنا باب ۹ ۔ بیت حسدا کی طرح یہ شیلوخ بھی حضرت مسیح کے ایک معجزہ کی یادگار ہے جسکا بیان یوحنا باب ۹ میں ہوا ۔ وہاں لکھا ہے کہ آپ کو ایک مادرزاد اندھا ملا اور آپ نے معجزانہ

اصلی مرہم عیسےٰ

طور سے اسکو بینا کر دیا ۔ زمین پر تھوکا اور تھوک سے مٹی سانی اور وہ مٹی اندھے کی آنکھوں پر لگا کر اس سے کہا ۔ جا شیلوخ کے حوض میں دھولے جسکا ترجمہ ہے بھیجا ہوا (یعنی رسول) پس اُس نے جا کر دھویا اور بینا ہو کر واپس آیا" ۔

اسی طرح ایک اور اندھے کی آنکھوں پر آپ نے اپنا لب مبارک لگا کر بینائی عطا کی تھی (مرقس باب ۸) ہم کہتے ہیں کہ اصلی مرہم عیسےٰ یہی تھا جسکے تین اجزا بتائے گئے ۔ لعاب روح اللہ ۔ گل یروشلمی ۔ آب شیلوخ ۔ اور اسی لفظ شیلوخ اور شیلیخ سے شلیخا بن گیا اور اُسی سے نسبت اس مرہم کو دی گئی ۔ نہ یہ مرہم عیسےٰ ہے اور نہ مرہم شلیخا ۔ بلکہ عیسےٰ اور شلیخا کے نام سے منسوب ہے ۔ اور یہی لفظ شلیخا ماخذ ہے لفظ رسول کا ۔ کیونکہ اسکے لفظی معنی بھی رسول ہے جیسا اسرائیلی نے بھی بتلا دیا ۔ اسکو حواری اور رسول سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ محض اسکے معنے سے واسطہ ہے شلیخا اور رسول دو مترادف الفاظ ہیں ۔ اور جب اس مرہم کے بارہ اجزا کا خیال کیا تو لفظ رسول سے بارہ رسولوں کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور آسانی سے اسکو مرہم رسل کہہ دیا ۔

حسن اتفاق سے یہاں ایک اور مناسبت بھی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے یہ نام اور بھی زیادہ موزون ہوگیا۔ مرہم کے لغوی معنے ہر قسم کا لیپ و مالش ہیں جو خود نرم ہو اور نرمی پیدا کرے اور اگر یہ لفظ عربی ہے تو رہمۃ سے مشتق ہوگا جس کے معنے ہیں نرمی (دیکھو منتہی الارب) اس معنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فی الواقع بھی حضرت مسیح کے بارہ حواریوں کے پاس ایک مرہم تھا۔

اصلی مرہم حواریین اور وہ اصلی مرہم رسل تھا چنانچہ انجیل مرقس باب ۶ آئت ۷ و ۱۲ و ۱۳ میں لکھا ہے کہ خداوند مسیح نے بارہ کو پاس بلاکر اُن کو دو دو کرکے بھیجنا شروع کیا...... اور انہوں نے روانہ ہوکر منادی کی کہ توبہ کرو اور بہت بدروحوں کو نکالا اور بہت بیماروں کو تیل مل کر اچھا کیا" اسی تیل کو ہم مرہم رسل کہتے ہیں اور شاید یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ بیت المقدس میں جو تیل استعمال ہوتا ہے وہ روغن زیت ہے جو اس مرہم زیربحث کا بھی جزو اعظم قرار دیا گیا اور جو حواریین عیسے کے ہاتھوں میں انکی دعا کی تاثیر سے اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ پس جس مرہم کو قدمائے اطبا نے بہترین مرہم مانا اسکو مرہم رسل سے بہتر اور کون نام دے سکتے تھے؛

آخری مالش حواریین عیسے کی سنت میں کلیسیا کے درمیان اس وقت تک بیماروں پر تیل ملنے کی رسم جاری ہے چنانچہ حضرت یعقوب حواری نے فرمایا ہے "اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسیا کے بزرگوں کو بلائے اور وہ خداوند کے نام سے اسکو تیل ملکر اسکے لئے دعا مانگیں جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی اسکے باعث بیمار بچ جائیگا اور خداوند اُسے اُٹھا کھڑا کریگا (خط یعقوب ۵ باب) اس ہولی رسم کو جسکا فیض و برکت اس وقت تک جاری ہے رومن کلیسیا میں اکسٹریم انکشن یعنی آخری مالش کہتے ہیں جس کے لئے ہر ایماندار آرزومند ہے؛

ہم سمجھتے ہیں کہ اب کسی صاحب فہم کو ذرا بھی دقت نہ رہیگی کہ مرہم شلیخا اور مرہم رسل کی حقیقی وجہ تسمیہ بخوبی سمجھے اور مرزاجی کے مغالطوں سے باہر نکل آئے؛

عوام کا خیال اور مرزا کی تردید اس مرہم کی نسبت مرزا صاحب کی غلط بیانیاں شمار میں اسکے اجزا سے بھی بڑھ گئی ہیں۔ ناظرین دیکھ چکے کہ گو اس مرہم کی حواریوں کے ساتھ کسی حقیقی نسبت کا خیال

محض لغو اور بے بنیاد ہے تاہم جن لوگوں نے ایسی نسبت مانی بھی وہ بھی یہی کہتے رہے کہ مرہم کو بارہ حواریوں نے ترکیب دیا اور ایک ایک نے ایک ایک دوا ایجاد کی۔ اس قول میں گویا ان لوگوں نے اس بات کی صراحت اور تاکید کی ہے کہ یہ مرہم واقعہ صلیب کے قبل ایجاد ہوا یعنی ایسے وقت میں جبکہ بارہ حواریوں کا شمار برقرار تھا۔ مقدس تاریخ کا یہ ایک یقینی واقعہ ہے کہ صلیب سے ایک دن قبل ہی حواریوں کا شمار کم ہو گیا تھا کیونکہ یہودا اسکریوتی جو بارہ میں ایک تھا رسالت کے دائرے سے خارج کر دیا گیا اور قبل واقعہ صلیب کے خودکشی کر کے مر گیا (دیکھو متی ۲۷ باب) پس جب صلیب کے بعد حواری صرف ۱۱ رہ گئے تو وہ مرہم شلیخا کے ۱۲ جز کیسے ترکیب دے سکتے تھے؟

پھر مرزا جی کس طرح فرماتے ہیں کہ "یہ دوا صلیب کے زخموں کے بعد خود ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے الہام کے ذریعے سے تجویز فرمائی تھی"۔ دارومدار تو مرزا صاحب کا تھا کے بے سند خیال پر تھا اور یہ کہکر آپ نے خود اسکی تکذیب کر دی کیونکہ وہ تو اس دوا کو بارہ حواریوں سے منسوب کرتے تھے اور اس کو واقعہ صلیب کے قبل کا حال بتاتے تھے نہ کہ "صلیب کے زخموں کے بعد" کا۔ پھر وہ اسکو حواریوں کے الہام سے نسبت دیتے تھے کہ مسیح کے الہام سے۔ بہرکیف اس سے یہ پتہ لگ گیا کہ آپ خود اس بے بنیاد روایت کو دل سے باطل و لغو سمجھتے ہیں ورنہ اسکے منافی ایسا سخن نہ فرماتے۔ گویا آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ قدیم جاہلوں کو یہ کہنا چاہئے تھا جو انہوں نے نہیں کہا کہ مرہم عیسےٰ نے صلیب کے بعد تیار کیا۔ ہم دو ہزار سال بعد اس روائت کی اصلاح کرتے ہیں اور فرض کئے لیتے ہیں کہ وہ لوگ ہمیشہ سے یہی کہتے رہے۔ خوب! فن روایت اور درائت کا یہ نیا اصول ہے۔ ہم مرزا جی کو داد دیتے ہیں؟

مرزا کی اختلاف بیانی مرزا جی کی غلط بیانیاں بے پایاں ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "یہ نسخہ اُن چوٹوں کے لئے نہایت مفید ہے جو کسی ضربہ و سقطہ سے لگ جاتی ہیں اور چوٹوں سے جو خون رواں ہوتا ہے وہ فی الفور اس سے خشک ہو جاتا ہے۔ اور اس دوا کے استعمال سے حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم چند روز میں ہی اچھے ہو گئے۔ اور اس قدر طاقت آگئی کہ

آپ تین روز میں یروشلیم سے جلیل کی طرف ستر کوس تک پاپیادہ گئے" ص ۳۹۶ ؎

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مرہم کی تعریف میں مبالغہ کیا انہوں نے بھی اسکو ضربہ وسقطہ کا علاج نہیں بتایا جیساکہ ہم اوپر لکھ چکے۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ مرزاجی بھی قائل نہیں کہ ایسے مرہم نے کچھ بھی مفید اثر مسیح کے زخموں پر کیا ہو۔ ورنہ وہ باوجود تسلیم اعجاز مرہم یہ نہ فرماتے کہ واقعہ صلیب کے بعد مسیح کے جسم پر صلیب و کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد و تکلیف اُنکے ساتھ تھے" (ریویو جلد ۲ ص ۱۵۰) ہم کو پھر مرزاجی کے حافظہ کی شکایت ہے اُنکو بےطرح نسیان ستاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے تیئں بھی بھول گئے ؎

یہ بحث تو طے ہو گئی۔ مگر مرزاصاحب کے پھڑکتے ہوئے تجارتی اشتہارات دیکھ کر جن میں وہ اس مرہم کو عجیب و غریب دُنیا میں سب سے پُرتاثیر تیر بہدف بابرکت علاج خاص کر اپنے مددگار طاعون کا بتلاکر فی ڈبیہ پون اور سوا روپیہ جاہلوں سے وصول کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ناظرین کے دل میں بہت اشتیاق پیدا ہوا ہوگا کہ آخر اس نسخہ کے وہ نادرالوجود اجزا کیا ہیں جن کے دریافت کرنے کے لئے مرزاصاحب اطبا کے معمولی تجربہ کو کافی نہیں سمجھ سکتے بلکہ ضرورت الہام و اعجاز کو لازم قرار دیتے ہیں۔ وہ نسخہ موافق قرابادین شیخ الرئیس کے یہ ہے۔ موم سفید۔ راتینج۔ زنگار۔ جاوشیر۔ اُشق۔ زراوند طویل۔ کندر۔ مُرمکی۔ بیرزہ۔ مقل۔ مرداسنگ۔ روغن زیت ؎

اس مرہم کے اجزا

ناظرین بارہ حواریوں کو دیکھئے اور الہام اور اعجاز مسیحائی کو خیال فرمایئے۔ اور ان بارہ دوائیوں کو دیکھئے۔ اور جہاں تک ہو سکے مرزاصاحب اور اُنکے حواریوں کو شرمایئے اور پوچھئے کہ یہ کیا اندھیر ہو گیا کہ ہندوستان میں طاعون کی یہ شدت کہ الاماں۔ اور وہ بھی خاص اُسی زمانہ میں جب آپ لوگوں نے اعجاز مسیحائی کا بابرکت علاج نکالا۔ کیا طاعون بھی پیر قادیاں کے دعووں کی آسمانی تکذیب ہوکر آیا ہے!

سبعہ سائل

۱۔عصیٰ آدم رتبہ بحث عصمت انبیاء

۲۔عشرہ کاملہ تحقیق معنی استغفار ذنب ۳۔عصمت مسیح از قرآن و حدیث

۴۔عصمت مسیح از اناجیل معہ ردِ شبہات ۵۔موت و بعثت مسیح

۶۔مرزا کا خبط کشمیر افشائے راز مزار خان یار ۷۔مرہم رسل

فہرست مضامین

شری بالمکند سٹیم پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام پنڈت کشن گوپال
مینجر چھپا اور مسٹر ایف۔ ڈی۔ ولرٹ سکریٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی
انارکلی لاہور نے شائع کیا ۔